



اس شمارے میں

شعروادب

۲	عمیق قربان	رئیس الشاکری ندوی
۳	اداریہ	شمس الحق ندوی
۵	حکمت حج	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
۷	جدادہ استقامت	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی
۱۱	مصادر سیرت نبوی	ڈاکٹر سید سلمان ندوی
۱۵	محبت نبوی	مولانا سید محمد ثانی حسنی
۱۷	چشم کشا	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی
۲۰	حدیث دل	مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی
۲۳	چند باتیں چند یادیں	احمد مطیع صدیقی
۲۷	فقہ و فتویٰ	مفتی محمد ظفر عالم ندوی
۲۸	سوال و جواب	جاوید اختر ندوی
۳۰	خبر و نظر	عالم اسلام
۳۱	رفتنار کار	مسلم پرسنل لاہور ڈاکا جلسہ
۳۱	رپورٹ	صالح اور پاکیزہ ادب کی تخلیق شہاب عالم ندوی

تعمیر حیات

پندرہ روزہ
جلد نمبر ۳۲
شمارہ نمبر ۲۳
۲۵ اکتوبر ۲۰۱۰ء مطابق ۱۶ رذی قعدہ ۱۴۳۱ھ

زیر سرپرستی

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء لاہور)

زیر نگرانی

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی
(ناظر عام ندوۃ العلماء لاہور)

مدیر مسئول

شمس الحق ندوی

نائب مدیر

محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت

مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی ♦ مولانا خالد ندوی غازی پوری
♦ امین الدین شجاع الدین

سالانہ زرقادون - 250/- فی شمارہ - 12/-
ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک کے لئے - \$50 ڈالر

ذرائع تجزیہ حیات کے نام سے بائیس اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لاہور کے پتہ پر روانہ کریں، چیک سے بھی جانے والی رقم قابل قبول نہ ہوگی۔ اس میں ادارہ کا نقصان ہوتا ہے۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

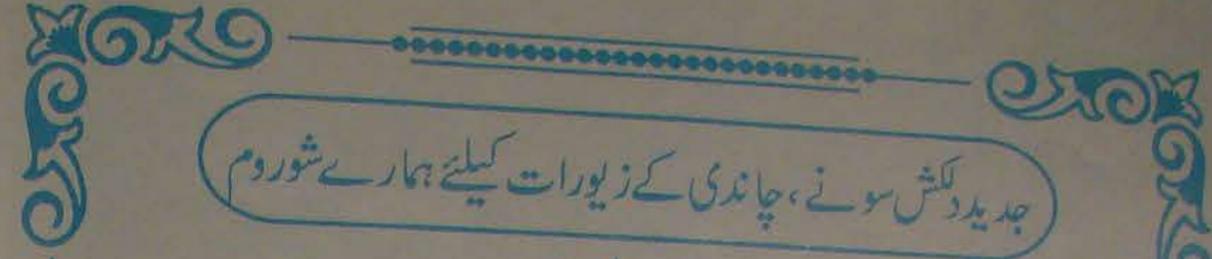
Tameer-e-Hayat
P.O. Box No.93 Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-7
E-mail: nadwa@sancharnet.in, Ph: (0522) 2740406

مضمون نگاری رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

تپ سٹار ہائیڈرو پریس کے لیے لکھی گئی ہے۔ آپ کو لکھنے کے لیے لکھنا پڑے گا۔ لکھنے والی رقم ان کے پاس نہیں ہے۔

پتہ پبلشر اسلام آباد سٹریٹ آف برٹننگ پریس، نظیر آباد، لاہور سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات لاہور سے شائع کیا۔

Design By: Saleh Mahmood, Lko. Mob. 8953394667



جدید دلکش سونے، چاندی کے زیورات کیلئے ہمارے شوروم

گہنہ پیلیس

میں آپ کا خیر مقدم ہے



GEHNA
PALACE

Whenever you see
Jewellery
Think of us

حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد معروف خاں، محمد فاروق خاں (چاند)

ایک مینارہ مسجد کے سامنے، اکبری گیٹ، چوک، لکھنؤ

Phone : 0522-2260433, Mobile : 9415024686

عید قربان اور اس کا پیغام

رییس الشاکری

- حضرت انسان کی فطرت مذہب اسلام ہے
- حکمت و دانائی سے لبریز ہے ہر اصول
- ”عید قربان“ کی عزیمت پر نظر فرمائیے
- ”قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری“
- برکتوں کے ساتھ لیجئے ”عید قربان“ آگئی
- اہل دانش فکر فرمائیں عیاں ہو جائے گا
- ”عید قربان“ بندگی کا خوبصورت نام ہے
- دیکھئے پھر ”عید قربان“ رسم خوش انجام ہے
- شاہد بزم یقین کی آنکھ مل جائے اگر
- ”عید قربان“ سے ہمیشہ کے لیے بے فیض ہے
- جذبہ ایثار و طاعت میں اگر ناکام ہے
- جان جس کی ہے اسی کے واسطے دیدیجئے
- ”عید قربان“ جذبہ طاعت کی مظہر ہے رییس
- ہم مسلمانوں پہ خونریزی کا کیوں الزام ہے

احترام ”عید قربان“ کا تقاضا ہے یہی
جاں نثاری کی ادائیں سیکھ لے یہ زندگی

☆☆☆☆☆

اے اللہ میں حاضر ہوں!

شمس الحق ندوی

تصور میں لائیے ایک سنسان وادی اور مجلسی ہوئی پہاڑیوں کو جہاں نہ آدم نہ آدم زاد، اس ویرانہ کی چلچلاتی دھوپ اور کھانے پانی سے خالی تپتی ہوئی وادی میں متا کی ماری ایک ماں اور شیر خوار بچے کو! کوئی اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس ماں کے دل پر کیا گزری ہوگی، دیوار کعبہ کے قریب شیر خوار بچہ پیاس سے ایڑیاں رگڑ رہا ہے اور ماں تڑپ تڑپ کر کبھی صفا پر تڑھ کر دیکھتی کہ شاید کوئی قافلہ نظر آجائے اور پانی ملے، پھر دوڑی دوڑی مردہ پر چڑھتی کہ شاید ادھر کوئی قافلہ گزرتا ہو دکھائی دے دونوں طرف سے آس ٹوٹتی ہے، بھاگی بھاگی بچے کو دیکھنے آتی ہے کہ کس حال میں ہے، اس معصوم کو دیکھ کر پھر بے قراری کے عالم میں صفا مردہ کے چکر لگاتی ہے، چھ چکر ہو چکے اور امید کی کوئی کرن دکھائی نہیں دیتی، بچہ ہے کہ جاں بلب ہو رہا ہے، ساتویں چکر کے بعد بچے کے پاس پہنچتی ہے تو دیکھتی ہے کہ اس کی ایڑیوں کی رگڑ سے رب کریم نے پانی کا چشمہ جاری فرما دیا ہے، جو زم کے نام سے مشہور اور اس وقت سے اب تک اس طرح جاری ہے کہ سارے عالم کے مسلمان بھر بھر کر لے جا رہے ہیں اور پانی کم نہیں ہوتا، چشمہ جاری ہوا تو قافلے بھی آ کر آباد ہونے لگے اور یہ ویرانہ جہاں وحشت کو بھی قدم رکھتے وحشت ہو، آبادی میں تبدیل ہو گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جو اپنے رب کے حکم سے بیوی اور بچے کو اس ویرانہ میں چھوڑ کر چلے گئے تھے جب کافی عرصہ کے بعد واپس آتے ہیں تو اسی بچہ کو جواب جوانی کی عمر کو پہنچ رہا تھا اللہ کے نام پر قربان کر دینے کا حکم ہوتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام جس طرح اپنے رب کے حکم سے بیوی بچے کو چھوڑ کر چلے گئے تھے، اب اپنے اسی رب کے حکم سے اس کی گردن پر بے تکلف چھری چلا دیتے ہیں لیکن رب کریم کو آب و خاک سے بنے ہوئے اپنے بندہ کی یہ ادائے عاشقانہ ایسی پسند آتی ہے کہ بیٹے کی جگہ جنت کا دنبہ ہوتا ہے، چھری چلتی ہے تو جگر گوشہ کی نبی کی گردن کٹتی ہے اور رب کریم فرماتا ہے:-

”ہم نے ان کو پکارا کہ اے ابراہیم! تم نے خواب کو سچا کر دکھایا، ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں، بلاشبہ یہ صریح آزمائش تھی اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو ان کا فدیہ دیا اور پیچھے آنے والوں میں ابراہیم کا (ذکر خیر باقی) چھوڑ دیا“۔ (سورہ الصافات)

زمین و آسمان نے عشق و محبت اور رب کے حکم پر اس سرشاری کا منظر کب دیکھا ہوگا، انہیں باپ بیٹے نے کعبہ کی تعمیر کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ملا کہ: ”اور لوگوں میں حج کے لیے ندا کر دو کہ تمہاری طرف پیدل اور دبلے اذنوں پر جو دور (دراز) رستوں سے چلے آتے ہوں (سوار ہو کر) چلے آئیں“۔ (حج) وہ دن ہے اور آج کا دن ہے کہ دنیا کے گوشہ گوشہ سے بڑی تعداد میں مسلمان رخت سفر باندھ کر اس ادائے عاشقانہ کی یاد تازہ کرتے اور اپنے دلوں کی ویرانہ سستی کو عشق و محبت میں ڈوب کر آباد کرتے ہیں، آنسوؤں سے اس کو غسل دیتے ہیں اور اس طرح پاک و صاف ہو کر لوٹتے ہیں جیسے آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہوں۔

کہتے ہیں کہ قیس عشق لیلیٰ میں ایسا کھویا ہوا اور گم رہتا تھا کہ اس کو کسی اور چیز کا احساس نہیں ہوتا تھا، دیوانوں کی سی کیفیت تھی، لیلیٰ کی ہستی سے آنے والے کتنے تک سے بیار کرتا تھا کہ یہ لیلیٰ کی گلیوں سے گزر کر آ رہا ہے، لیلیٰ کی ہستی میں پہنچ جاتا تو درود دیوار کو پکڑ پکڑ کر چومتا، وہاں کی ہر شے میں اس کو لیلیٰ ہی نظر آتی، اس کی یہ فریفتگی آج تک ضرب المثل ہے اور منجھائے عشق بنی ہوئی ہے۔ فرہاد نے شیریں کی خاطر پہاڑ کو کاٹ کر اس کے محل میں نہر جاری کرنے کی کوشش کی اسی اثناء میں اس کو کسی نے شیریں کے انتقال کی فرضی خبر سنائی تو اسے تحقیق کی تاب نہ رہی اور اسی کدال سے اپنا سر چھوڑ کر دم توڑ دیا کہ شیریں نہیں تو زندگی میں مزہ کیا؟ عشق کے یہ دوائے قے ہیں جو برہا برس سے زبان زد عام و خاص ہیں اور مادی معشوقوں اور مادی عاشقوں کی یہ داستان غم بھلائی نہیں جاتی، جب کوئی دل چوٹ کھاتا ہے تو انہیں سے تشبیہ دے کر اپنے انتہائی رنج و غم کی نشاندہی کرتا ہے، حالانکہ اس سے بہت پہلے سے دنیا یہ دیکھ رہی ہے کہ آب و خاک سے بنی ہوئی ایک چوکور عمارت کی طرف

جو در معشوق نہیں بلکہ جلوہ گاہ معشوق ہے مخلوق کس طرح ٹوٹی پڑتی ہے، محبوب و عزیز ترین چیزوں کو چھوڑ کر حتیٰ کہ مال و اولاد، گھر یا سب کچھ چھوڑ کر، تاج کر، پیدل و سوار یوں پر، ہواؤں میں اڑا کر، سمندروں کے سینوں کو چیر چیر کر، بڑے والہانہ اور فریفتگی کے عالم میں ایک دو کی نہیں، سو پچاس اور ہزار کی بھی نہیں بلکہ کئی لاکھ کی تعداد میں روانہ ہو جاتی ہے مرد بھی، عورتیں بھی، بوڑھے بھی، جوان بھی، امیر بھی، غریب بھی، شاہ بھی، گدا بھی، کیسا دیدنی منظر ہوتا ہے جیسے جیسے وہ دیار حبیب کے قریب ہوتے جاتے ہیں ان کی ایک ایک ادا نرالا اور انوکھا روپ اختیار کرتی جاتی ہے، حتیٰ کہ صرف ایک چادر و لنگی میں ملبوس ہو کر محبوب کی بارگاہ میں حاضری کا جو آخری منظر کن پوشی کا ہوتا ہے وہ منظر پیش کرتے ہیں اور بزبان حال یہ عرض کرتے ہیں۔

ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کریں تجھ پر مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں اسی حالت میں مستانہ وار لبیک اللہم لبیک لا شریک لک لبیک میں حاضر ہوں حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں، کانفرہ لگاتے ہوئے روتے اور آنسوؤں سے دامن تر کرتے ہوئے نالہ و فریاد کرتے ہوئے دربار عالی میں حاضر ہوتے ہیں ع چشم پر ہم دل پریشاں آرزوئیں بے قرار عشق مجسم سراپا تصویر در دہنے ہوئے کوئی ادنیٰ تغافل و چھیڑ چھاڑ بھی بار خاطر ہے، خیال یا ر میں گم ہیں، تڑپ تڑپ اٹھتے ہیں، آنسوؤں کے ساتھ چیخیں بھی بے اختیار نکل پڑتی ہیں۔

نالہ کر لینے دیں اللہ نہ چھیڑیں احباب ضبط کرتا ہوں تو تکلیف سوا ہوتی ہے محبوب حقیقی سرور خوش ہو کر فرشتوں سے فرما رہا ہے ”میرے گھر کے مشاقوں کو دیکھو میری طرف بکھرے ہوئے بالوں اور غبار آلود جسموں کے ساتھ اس حال میں آئے ہوئے ہیں کہ ع

جگر میں نہیں دل میں درد، لب پہ آہ و نالے ہیں یہ ہر طرف سے کھینچ کھینچ کر، پہاڑوں کو پھاند کر آجھ ہوئے ہیں گلی کوچوں میں، سڑکوں پر، بازاروں میں خیموں میں جلوں میں بس جہاں دیکھو وہی ہیں، رات ہو کر دن ہو جب دیکھو اپنے رب کی جگہ گاہ خانہ کعبہ کے گرد چکر لگا رہے ہیں، دوڑ دوڑ کر حجر اسود کو چومتے جا رہے ہیں، غلاف کعبہ ہاتھ میں آگیا تو لپٹ لپٹ کر رو رہے ہیں جیسے دامن یا ہاتھ میں آگیا ہو چھوڑنے کا جی نہیں چاہتا چلا اٹھتے ہیں۔

اے ناتواں عشق تجھے حسن کی قسم دامن کو یوں پکڑ کہ چھڑایا نہ جاسکے یہ سب ہوتی رہتا تھا کہ معشوق ازلی کے چشم دید کا اشارہ پا کر اپنی جھوننا نشان کے ساتھ نکلے اور بھاگے بھاگے عرذہ پہنچے ابھی دل بھر کر دعا بھی نہ کرنے پائے تھے کہ معشوق نے کسی اور سمت کو ڈھکیلنا اور کھینچنا شروع کیا، عاشق کی سب سے بہترین ادا اور عشق کا مظہر نماز جس کو محبوب سب سے زیادہ پسند کرتا ہے اس کو آج ایک وقت میں دو ملا کر پڑھیں گے ظہر و عصر ساتھ ادا ہوں گی اور رخت سفر باندھ لیا جائے گا عین سفر کی حالت میں رات کی تاریکی آگھیرے گی سورج اپنی کرنوں کو سمیٹ کر نماز مغرب کا اعلان کر چکا ہوگا مگر نماز کیوں کر ادا کریں جب کہ منزل پر پہنچنے سے قبل کہیں ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہے، مغرب عشاء دونوں ساتھ میں ادا ہوں گی جب رات کی سیاہی پوری طرح چھا چکی ہوگی، عاشق کے یہ قافلے اپنی منزل پر پہنچیں گے اور محبوب کی یاد میں آنکھوں آنکھوں میں رات کا ٹیس گے۔ جس کے دل میں کچھ چوٹ ہو کوئی زخم لگا ہو دیوانگی سے کبھی سابقہ پڑا ہو وہی اس حقیقت کو سمجھ سکتا ہے اور اس کا مزہ لے سکتا ہے۔

ابھی کیا ہو رہا تھا اب کیا ہو رہا ہے اسی صفامردہ پر جس پہ حضرت ہاجرہ دوڑی تھیں، بیتابانہ دوڑ رہے ہیں دوڑ کر گئے صفا پر چڑھے پھر بھاگتے ہوئے مردہ آگے ایک دوئیں سات سات چکر اسی عاشقانہ ادا کے ساتھ لگائے جا رہے ہیں پھر دیکھتے منی میں غصہ سے بھرے ہوئے عاشق و معشوق کے درمیان حائل ہونے والے بہانے اور سوسہ ڈالنے والے شیطان کو کس طرح کنکریاں ماری جا رہی ہیں اس کو ذلیل و رسوا کیا جا رہا ہے تیری مجال کہ تو عشق کی بھڑکتی ہوئی آگ کو اپنے مکر و فریب سے بھاسکے، مستی کا عالم طاری ہے معشوق کا ڈر نہ ہوتا، اس کے ناراض ہونے، حکم کی خلاف ورزی کا خطرہ نہ ہوتا تو کتنے اپنی جان تک کو قربان کر دیتے اس مددوشی کے عالم میں بھی اتنا ہوش ہے کہ ان کے حکم کی خلاف ورزی نہ ہو۔ (بقیہ صفحہ ۲۰۱ پر)

حج حضرت ابراہیم کی قربانیوں کی مثال

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

حج کا زمانہ ایمان و یقین کی اعلیٰ یادگار کا زمانہ ہے، وہ ایمان والوں کے لئے بڑا سبق ہے کہ وہ اپنی جان و مال کی خواہش کو اپنے رب کی رضا طلبی میں کس طرح دبائیں اور اپنے رب کی اطاعت میں اپنی راحت اور اپنی خواہش کو کس طرح قابو کریں، اس کی اعلیٰ مثال اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی قربانیوں کے واقعات کی صورت میں بیان کی ہے، یہ یادگار اس عمل کی ہے جو حضرت ابراہیم نے آخری درجہ کی قربانیاں دے کر تاریخ میں مثال قائم کر دی، اللہ کیلئے انہوں نے مختلف انداز کی تین زبردست قربانیاں دیں جس کی نظیر پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی، پہلی قربانی تو انہوں نے اس وقت دی جب انہوں نے اپنی بت پرست قوم کو توحید کی طرف بلایا، ان کی قوم تھی کہ باپ نے بھی سخت رویہ اختیار کیا، اور سختی کے طریقہ اختیار کئے، انہوں نے تکلیفیں برداشت کیں اور جب وہ اپنی توحید کی دعوت پر قائم رہے تو انہیں دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دینے کا فیصلہ کیا انہوں نے اس کو بھی قبول کیا لیکن اپنی دعوت توحید سے نہیں ہٹے، آگ میں جلنے کیلئے بھی تیار ہو گئے، اللہ نے ان کی ہمت اور قربانی ان کو جلنے سے بچالیا اور وہ اس طرح کہ اس قادر مطلق نے آگ کو روک دیا اور وہ جلنے سے محفوظ رہے لیکن جلنے کیلئے تیار ہو کر آگ میں داخل ہونے تک کی قربانی دیدی۔

پھر کچھ مدت بعد اللہ نے ان کے ایمان اور طاعت الہی کا دوسرا امتحان لیا اور وہ اس طرح اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد آئی، حضرت

جبرئیل کو حکم ہوا انہوں نے بچہ کی ایڑیوں کے پاس آ کر ایک چشمہ جاری کر دیا جو زمزم کہلایا، اس طرح سے اللہ نے ان کے زندہ رہنے کا انتظام کر دیا، ان ہی دنوں میں یمن کا ایک قافلہ وہاں قریب سے گذر رہا تھا وہ بھی پانی کی تلاش میں تھا کچھ افراد نے پرندوں کو اڑتے ہوئے دیکھ کر اندازہ لگایا کہ یہاں پانی ہو سکتا ہے، لہذا پانی کی تلاش میں وہ ادھر آ نکلے اور حضرت ہاجرہ سے اجازت طلب کر کے وہیں سکونت پذیر ہو گئے، پھر بعد میں جب حضرت اسماعیل بڑے ہوئے تو اسی قبیلہ جرم کی ایک خاتون سے ان کی شادی ہوئی، اور اس طرح یہاں تھوڑی آبادی ہو گئی۔ اور ان لوگوں کیلئے اللہ کی طرف سے کھانے پینے کے کچھ ذرائع ہو گئے، انتظام ہو گیا پانی زمزم سے ملتا تھا اور کھانے کے لئے جو غذا ہو سکتی تھی وہ دستیاب ہو جاتی تھی، بیوی اور شیر خوار بچہ کو اس بے آب و گیاہ صحراء میں چھوڑنے کے بعد دوسرے سال حضرت ابراہیم دریافت حال کے لئے آئے کہ دیکھیں دونوں کا کیا حال ہے؟ دیکھا تو زندہ ہیں، خوش ہوئے اور کچھ کچھ مدت بعد آتے اور دونوں کی خبریت معلوم کر کے اطمینان کرتے تھے کہ بچہ اور ماں دونوں محفوظ ہیں اور کچھ آبادی بھی ہو گئی ہے۔

آہستہ آہستہ حضرت اسماعیل بڑے ہوئے اور اچھے اور سعادت مند نوجوان بنے، اپنے والدین کی خدمت اور ان کی تابعداری اور فرمانبرداری میں لگے رہتے، جب والدین اپنے اس لائق بیٹے کو دیکھتے کہ خوبصورت اور سعادت مند فرمانبردار لڑکا ہے تو ان کی صحبتوں میں اضافہ ہوتا چاچا تک ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں ایک بار دو بار اور تیسری بار بھی دیکھا، وہ جانتے تھے کہ نبی کا خواب سچا ہوتا ہے لہذا اس کو اللہ کا حکم سمجھا اور اپنے دل کو اس حکم پر عمل کرنے

کے لئے تیار کر لیا، انہوں نے اپنے بیٹے کو یہ خواب جس کو حکم سمجھاتا یا نیک اور فرمانبردار بیٹا خدا کی حکم سمجھ کر اس قربانی کے لئے تیار ہو گیا اور کہا: ابا جان! آپ کو جو حکم دیا گیا آپ اس کی تعمیل کیجئے میں تیار ہوں۔ حضرت ابراہیم ان کو لے کر گئے اور منیٰ میں ایک جگہ ان کو لٹا کر ذبح کرنے لگے، اللہ نے باپ بیٹے کی تابعداری دیکھ کر اسے کو کافی قرار دیا اور حضرت جبرئیل کو حکم دیا وہ ایک مینڈھالے کرہ پونچے اور حضرت اسماعیل کو ہٹا کر مینڈھالے دیا اس طرح حضرت اسماعیل کے بجائے اس مینڈھالے کی قربانی ہو گئی اور حضرت اسماعیل پچالے گئے، انہوں نے اپنے دل اور ارادہ کے لحاظ سے قربانی پوری کر دی اور اللہ کو امتحان صرف لینا تھا وہ اس میں کامیاب رہے، اور اللہ کو ان کی یہ قربانیاں ایسی پسند آئیں کہ ان کی قربانی کو یادگار بنا دیا۔

یہ تھیں حضرت ابراہیم کی اللہ کیلئے آخری درجہ کی تین قربانیاں، آگ میں جانا قبول کیا، اپنی بیوی بچہ کو اللہ کے حکم سے صحراء میں چھوڑ آئے، تیسرے اپنے بیٹے کو اللہ کے حکم پر ذبح کیلئے پیش کر دیا، اس کے نتیجہ میں اللہ کی طرف سے ان کی ان قربانیوں کو یادگار بنا دیا گیا کہ قیامت تک اس کی

ظاہری طور پر نفس کی جاتی رہے چنانچہ حاجی ان کی نقل کرتا ہے، کعبہ کا طواف قربانی وسیع کر کے حضرت ابراہیم کی سنت کو زندہ کرتا ہے اور کعبہ وہ عمارت ہے جس کو اللہ نے حضرت آدم کو زمین پر بھیجئے کے ساتھ مکہ کی زمین پر قائم کیا تھا جو بعد میں مرور زمانہ سے زمین میں پوشیدہ ہو گیا پھر اسی کی بنیاد پر اللہ کے حکم سے حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کے ساتھ مل کر اس کی تعمیر کی، اور اللہ نے اپنا یہ فیصلہ ظاہر فرمایا کہ ہم اس جگہ کو دنیا کی مرکزی جگہ بنائیں گے، اور یہاں رہنے والوں کو ہم ہر طرح کے پھل اور میوے دیں گے، لوگ یہاں پیدل آئیں گے سوار آئیں گے فوج و فوج آئیں گے، دنیا کے کونوں کونوں سے آئیں گے اور پھر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ نافذ ہوا کہ اس وقت سے برابر حاجی دنیا بھر سے وہاں تکلیفیں اٹھا کر آتے ہیں، اپنی خواہشات کو قربان کر کے اللہ کی رضا کو حاصل کرتے ہیں اور تلبیہ کے ذریعہ یہ اعلان کرتے ہیں کہ اے اللہ ہم حاضر ہیں اے اللہ ہم حاضر ہیں، تو وحدہ لا شریک ہے۔

یہ ہے حج کا فریضہ، اللہ تعالیٰ کے ایک مطہج و فرمانبردار بندے اور برگزیدہ پیغمبر حضرت ابراہیم کی اطاعت و عبادت کی یادگار، لہذا ہر مسلمان

کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ حج حضرت ابراہیم کی قربانیوں کی یادگار ہے، یہ قربانیاں آخری درجہ کی تھیں اور اللہ کی رضا طلبی کے لئے دی گئی تھیں، انہوں نے اپنے دل و جان سے قربانی دی، لہذا اس بات کو سمجھنا چاہئے اور عید الاضحیٰ کے موقع پر اپنے ذہن و قلب میں اس کو لانا چاہئے اور قربانی کا یہ سبق یاد کر کے اپنے آپ کو اللہ کی رضا کی خاطر اپنی جان و مال کو اللہ رب العالمین کی پسند کے لئے قربان کرنے کا جذبہ رکھنا چاہئے، اسی طرح حج کی عبادت اپنے نفس کی قربانی، خواہشات کی قربانی، جان و مال کی قربانی کی یادگار ہے جو ہر سال مکہ میں ظاہری شکل میں عمل میں لائی جاتی ہے، اس سے دین، ایمان میں ترقی ہوتی ہے، اس کا مقصود اللہ کی رضا حاصل کرنا ہے یہی حج کا مقصد ہے یہی حج کا پیغام ہے، اور اللہ نے یہ صرف استطاعت والوں پر فرض کیا ہے جس کے پاس بدنی و مالی طاقت ہو اس کیلئے ضروری ہے باقی حضرات اپنی زندگی میں اپنے رب کے لئے جان و مال کی قربانی کا جذبہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے رہیں تاکہ یہ سنت ابراہیمی سب کے دلوں میں زندہ رہے۔

☆☆☆☆☆

(بقیہ ادارہ)..... جذبہ بے تابی کو تسکین دینے کی خاطر اتنی اجازت مل گئی کہ اگر تم جاٹاری کا مظاہرہ کرنا چاہتے ہو تو میرے نام پر چالو روں کی گردلوں پر چھری چلاؤ، آن کی آن میں ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں زمین پر پڑے ہوئے جانور نظر آ رہے ہیں، خون کی نہریں جاری ہیں، گردلوں پر چھریاں پھیری جا رہی ہیں، کوئی کہہ سکتا ہے کہ چشم فلک نے حشر و محبت کی ایسی ادا کی ہے اور دیکھی ہے، تاریخ نے کوئی ایسا واقعہ دیکھا ہے؟ مٹلے اور ہمیشہ بھاڑ کے مناظر تو شاید نظر آئیں گے مگر یہ ادا نے عاشقانہ کہاں کسی نے دیکھی ہوگی اور یہ سب کچھ یوں ہی نہیں ہو رہا ہے، کوئی ضرور جلوہ گر ہے، ہونہ ہوگی کی ادا نے دلبرانہ کار فرما ہے کہ۔

اب نہیں دل کو کسی صورت قرار یہاں سے فارغ ہوں گے نبی امی حسن انسانیت کے در دولت پر حاضری دیں گے جس نے عشق کی یہ آگ لگائی ہے بھانت بھانت کے لوگ ہوں گے کالے گورے عربی، گجپی ہوں گے درود و سلام سے نضا گونج اٹھے گی

کوئی عربی کوئی گجپی کوئی حبشی کوئی قرنی یہ آتش غم کس کس کو گھی سرکار دو عالم صلن علی ادب سے سلام ہوگا، دونوں میں حرکت اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوں گے عشق و مستی کا عجیب عالم ہوگا بزدبان حال کہہ رہے ہوں گے۔ یہ دل کی طین آنکھوں کی نمی صدقہ میں تمہارے ہم کوئی یہ ہیں حاجیوں کی وہ ادا تیں جن کو کون کراور پڑھ کر حج کا شوق ہوتا ہے اور ہر بندۂ مومن اس کے اشتیاق میں بزدبان حال کہہ دیتا ہے۔

دل کو یہ آرزو ہے صبا کوئے یار میں ہمراہ تیرے پیچھے اڑ کر غبار میں

حجۃ الوداع کی شان یکتائی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسینی ندوی

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی کتاب ”حجۃ الوداع و عمرات النبی ﷺ“ پر حضرت مفکر اسلام نے عربی زبان میں بیسوط مقدمہ لکھا تھا، اردو ترجمہ ان کے برادرزادہ عزیز مولانا سید محمد حسینی نے کیا تھا، جس میں حجۃ الوداع کی دینی، تاریخی و علمی حیثیت سے شان یکتائی کو واضح کیا گیا ہے، یہ مقدمہ بجائے خود ایک علمی و افادہ کی حیثیت رکھتا ہے، ہم بڑی مسرت کے ساتھ اس کو پڑھنے ناظرین کو کہتے ہیں۔ امید ہے کہ اہل علم اس کے مطالعہ سے محفوظ و مستفید ہوں گے۔ (ادارہ)

اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو اقوام عالم کے درمیان جن انعامات سے نوازا ہے اور دین اسلام کو دوسرے مذاہب کے مقابلے میں جو خصوصیات عطا فرمائی ہیں ان میں ایک حج بھی ہے، مذاہب و اقوام کی پوری تاریخ میں ہمیں کسی ایسی عبادت کا سراغ نہیں ملتا جو اپنی اصلاح و تاشیر، قلوب کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ کرنے، شوق و ذوق پیدا کرنے، بہترین طریقہ پر انسان کے ان جذبات کی تسکین و تکمیل، ملت یکتی اور اس کے امام و پانی سے تہجد و تعلق، قلوب کو نفی طاقت اور نئے ایمان سے معمور کرنے، دلوں کی سردانگیٹیوں کو دوبارہ سلگانے اور بھڑکانے، عادات و رسوم کی بندشوں سے آزادی اور رواج و دستور کی گراں باری سے گلو خلاصی،

توحید اور دین خالص کی دعوت، شرک و مشیت کے مظاہر سے بے تعلقی و اظہار بیزاری، جغرافیائی حد بندیوں، سرحدی پابندیوں اور انسانوں کے مادی و ظاہری اختلافات سے بالاتری، تعلیم و تربیت اور تبلیغ و دعوت کے مقاصد کی تحصیل و تکمیل، اس دین کو تحریف سے اور امت کو عمومی انحراف و گمراہی سے باز رکھنے اور اہل غلو اور اہل باطل اور اہل جہل کی دست درازیوں سے دور رکھنے، اصل سرچشمہ کی حفاظت کرنے، عمل و برداشت کی عادت ڈالنے اور مسلمانوں کو عبادت کا غلام اور رسم و رواج کا پابند بنانے کے بجائے حکم کا بندہ اور ”راضی برضائے مولیٰ“ بنانے میں اس درجہ کمال اور اثر رکھتی ہو اور اس میں یہ سارے فوائد و منافع اور ثمرات و برکات یکجا ہوں۔

”لَيْسَ هَذَا وَمِثْلَهُ مِثْلُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِمْ وَيَدْعُونَ إِلَيْهِمْ فِي آيَاتٍ مَعْلُومَاتٍ“ (سورہ حج) تاکہ اپنے فوائد و منافع کے لیے وہاں حاضر ہوں اور معلوم و متعین دلوں میں خدا کا نام لیں..... اس روشنی میں دیکھیں تو خاتم النبیین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حج اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور آپ کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے، انبیاء کرام کی عبادت و مناسک میں اس کو ایک بلند و منفرد مرتبہ حاصل ہے، وہ بہت سے پہلوؤں میں منفرد ہے، اصلاحی و تربیتی شعبہ میں بھی منفرد ہے، باطنی و روحانی شعبہ میں بھی اس لحاظ سے

بھی منفرد ہے کہ اس حج میں ایک مجمع کثیر کو آپ کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا، اور آپ کی بیروی، آپ کی باتوں پر عمل، آپ کے حرکات و سکنات کا مطالعہ، آپ کے مناسک و مناسک کے معمولات ضبط کرنے اور محفوظ کرنے کا موقع ملا، اس لحاظ سے بھی منفرد ہے کہ سلف سے خلف تک امت کے تمام طبقات نے اس کا پورا اہتمام رکھا کہ اس سفر میں آپ کے ہر قول یا عمل، عادات یا عبادات، نفی یا اثبات سے احکام کا استنباط اور جزئیات کا استخراج کیا جائے، اس معاملہ میں ان حضرات کی ہمتیں اتنی بلند، دماغ اتنا رسا، اور شعور اس درجہ لطیف و حساس تھا کہ وہ اس کی ان دقیق تفصیلات اور نزاکتوں کو بھی اپنی گرفت میں لائے جس کے بعد کوئی درجہ اور منزل باقی نہیں رہتی، انہوں نے اپنی عقل اور ذہانت کی ساری توانائیاں اس کے لیے نمودار کر رکھی ہیں۔

لیکن یہ کارنامہ صرف علم یا عقل کا نہ تھا، علم و عقل کی کارگزاری ہی ہم نے بہت کم دیکھی ہے، ہم نے دیکھا ہے کہ بڑے لوگوں کے سفرناموں یا کارناموں کے بیان میں اس سے بہت ہی وہ اہم چیزیں چھوٹ گئیں جن کی کوئی علمی یا تاریخی قیمت و اہمیت نہ تھی یہ دراصل اس محبت کا کرشمہ ہے جو کسی وقت غافل نہیں ہوتی اور کبھی نہیں اکتاتی، جس کو محبوب سے نسبت رکھنے والا ہر ذرہ عزیز ہوتا ہے، ہال سے زیادہ باریک و باریک باتیں اس کو محبوب ہوتی ہیں، وہ اس کو اپنی سب سے قیمتی دولت اور سب سے بہترین سرمایہ قرار دیتی ہے بلکہ جان سے زیادہ عزیز اور دل سے بھی زیادہ قریب سمجھتی ہے۔

اس پوری طویل و مبارک سفر میں محبت عقل کی رفیق رہی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا

پہلی بار اعلان فرمایا اور لوگ اس طرح آپ کے چاروں طرف جمع ہونے لگے جس طرح پروانے کسی روشن چراغ پر، اس وقت سے لے کر آپ کی واپسی تک محبت اور عقل کا یہ ساتھ ایک لمحہ کے لیے نہ چھوٹا، ان دونوں نے مل کر آپ کے سفر و حضر اور افعال و اقوال کا مشاہدہ کیا اور امت اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے ایک ایسی دستاویز، ایک ایسا زندہ اور جیتا جاگتا مرقع اور اس مبارک سفر کی ایسی پاکیزہ، سچی اور روشن تصویر پیش کر دی جس کو دیکھ کر ہر مسلمان سمجھ سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے مکہ کس طرح تشریف لے گئے ہوں گے پھر منی، عرفات اور اس کے بعد مکہ واپسی اور آخر میں مدینہ کی تشریف آوری کے دوران کیا کیا باتیں پیش آئیں وہ اس شفاف و امانت دار آئینہ میں آپ کو طواف سعی فرماتے ہوئے دیکھ سکتا ہے، تقریر کرتے ہوئے، گفتگو کرتے ہوئے، تعلیم دیتے ہوئے، مسئلے بتاتے ہوئے سن سکتا ہے، اور آپ کے ساتھ ان سارے مقامات کا اس طرح مشاہدہ کر سکتا ہے جیسے وہ کوئی چشم دید واقعہ ہو یا ابھی کل کی بات ہو، وہ اس کے ذریعہ ہر اس سعادت سے اپنی محرومی اور اس مبارک قافلہ میں اپنی غیر موجودگی کی کسی قدر تلافی بھی کر سکتا ہے، غائب اس کے لیے حاضر بن جاتا ہے، ماضی حال بن جاتا ہے، گزرے ہوئے دن گویا اس کے لیے لوٹ آتے ہیں، اس سے اس کو بڑی تسلی اور تسکین حاصل ہوتی ہے، وہ خدا کی حمد کرتا ہے اور دل سے اس کا احساس و اعتراف کرتا ہے کہ اس سفر حج کی روداد قلمبند کر کے ان وقاداروں اور جاں نثاروں، اور ان امین و ثقہ راویوں کا امت پر اور ملت پر اور خود اس کے جان و دل پر کتنا بڑا فضل و احسان ہے، وہ ان کے لیے سراسر شکر و سپاس بن جاتا ہے اور حق یہ ہے کہ کسی امت نے اپنے نبی کے ساتھ وہ نہیں کیا جو اس امت نے کیا، اور کسی ملت نے آثار و نقوش کو محفوظ و زندہ جاوید بنانے، روایت احادیث اور ہر چھوٹی بڑی چیز کی نقل و حفاظت کا اس درجہ اہتمام اور اس کی وہ فکر نہیں کی جو امت محمدیہ نے کی، نہ کسی مذہب کے علماء نے اپنے انبیاء کی ایک ایک عبادت کو اس طرح قلمبند کیا اور اس کو محفوظ رکھا جس طرح اس امت نے حجۃ الوداع کے ساتھ کیا، نہ اس میں اتنی دقیقہ رسی اور بالغ نظری سے کام لیا جتنا اس حج میں لیا گیا۔

تمام قرآن اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں یہ حج اسی تفصیل کے ساتھ مقصود تھا، یہ کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا بلکہ اپنے مناسب ترین وقت میں پیش آیا "فَذَجَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا" اس کی اس تاخیر میں بھی خدا کی بڑی حکمت و مصلحت پوشیدہ تھی، چنانچہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب اسلام جزیرۃ العرب میں پھیل چکا تھا، مسلمانوں کی تعداد بڑھ چکی تھی، ایمان مضبوط و مستحکم ہو گیا تھا، محبت پر دان چڑھ چکی تھی اور برگ و بار لاری تھی، نفوس تعلیم و استفادہ کے لیے تیار تھے، قلوب بیدار و مشتاق تھے، اور نگاہیں مطالعہ و مشاہدہ کے لیے بے قرار و منتظر تھیں، جدائی کی گھڑی قریب آ پہنچی تھی، اور ضرورت اس بات کی متقاضی تھی کہ امت کو وداع کیا جائے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج بیت اللہ کے لیے تشریف لائے تاکہ مسلمانوں سے ملاقات کر لیں، ان کو آخری طور پر طریقت عبادت و مناسک سے آگاہ کر دیں، شہادت حق کا فریضہ ادا کر دیں اور امانت ان کے ہاتھوں میں پہنچا دیں، ان کو آخری وصیتیں کر دیں، اور ان سے اس بات کا عہد و پیمانہ لے لیں کہ وہ آپ کے بعد بھی جاوہ حق اور راہ شریعت پر قائم رہیں نیز جاہلیت کے آثار و نشانات کو اپنے قدموں سے پامال کر دیں

اور ہمیشہ کے لیے مٹا دیں۔ اس لحاظ سے یہ حج ہزار تقریروں اور نصیحتوں اور درس و تعلیم کا قائم مقام تھا، یہ ایک چٹا پھرتا مدرسہ، متحرک مسجد اور ایک گھمبے کی چھائی تھی، جاہل اس میں علم حاصل کرتا، غافل بیدار ہوتا، کامل جست و چالاک ہو جاتا، کمزور پست ہمت حوصلہ مند و طاقتور ہو جاتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و محبت، آپ کی شفقت اور دلداری، اور تربیت و سرپرستی اور رحمت کی طرح قیام و سفر ہر حال میں اور ہر جگہ ان پر سایہ فگن تھی۔

مسلمانوں کی عقلی چنگلی اور اس محبوب شخصیت (فسادہ ایسی وامسی) سے ان کی محبت، شدت تعلق اور وابستگی اس درجہ پر تھی کہ اس سفر کے معمولی سے معمولی واقعہ اور چھوٹے سے چھوٹے جزئیہ کو انہوں نے اس طرح قلمبند کیا کہ اس کی مثال بڑے بڑے سلاطین و سربراہوں اور بڑی سے بڑی شخصیتوں اور عبقری و غیر معمولی انسانوں کے حالات سفر میں بھی نہیں ملتی، یہ درحقیقت اس عاشق صادق کی شان ہے جس کو محبوب کی ہر چیز محبوب اور ہر ادا پسند ہوتی ہے، اس کو اس کے ذکر میں مزہ آتا ہے، اور وہ خوب جی لگا کر اور دل کھول کر اس کی تفصیلات بیان کرتا ہے اور معمولی سے معمولی چیز کو بھی نظر انداز کرنا اس کو گوارا نہیں ہوتا، اور باریک سے باریک پہلو اور دقیق سے دقیق مسئلہ بھی اس سلسلہ میں اس کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہونے پاتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احرام باندھتے وقت خوشبو استعمال فرماتے ہیں تو راوی اس کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ خوشبو کس نے آپ کے لگائی، اور خوشبو کی یہ کون سی قسم تھی، کہتے ہیں "پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھ سے آپ

کو ذریعہ کی خوشبو لگائی، اور مشک کی خوشبو بھی لگائی، یہاں تک کہ مشک کی چمک آپ کے بالوں کی مانگ اور ریش مبارک پر نظر آ رہی تھی"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشعار کرتے ہیں تو راوی اس کی پوری تفصیل کا ذکر کرتے ہیں اور اس میں پورے تعین و یقین سے کام لیتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ "اشعار" جانور کے دہنی طرف تھا یا بائیں طرف، اور خون کس طرح پونچھا تھا؟ آپ کے بچنے لگوانے کا ذکر کرتے ہیں تو باوجود اس کے کہ بچنے لگوانا ایک خاص طبی اور طبیعتی فعل ہے جس کا مناسک حج سے کوئی تعلق نہیں، اس حصہ جسم کی اس جگہ کا تعین کرتے ہیں جہاں لگایا گیا، اس مقام کی تشریح کرتے ہیں جہاں یہ واقعہ پیش آیا، ان کے الفاظ ہیں "آپ نے ملل میں بچنے لگوایا، اور ملل مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے جس کا فاصلہ مدینہ طیبہ سے ۷۰ میل ہے"۔ آپ ﷺ نے اپنے سر پر "لحی جمل" کے مقام پر بچنے لگوایا جو مکہ کے راستہ میں ایک مقام ہے۔ آپ کی خدمت میں گوشت کا ایک حصہ پیش کیا جاتا ہے جو کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں اور عام طور پر لوگوں کو اس طرح کی چیزوں کی طرف توجہ بھی نہیں ہوتی، لیکن اس کا ذکر بھی تعین و تفصیل کے ساتھ کرتے ہیں، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:-

"جب سب لوگ ابواء پہنچے تو صعب بن جشمہ نے آپ کی خدمت میں گورخر کا گوشت پیش کیا"۔ مدینہ اور مکہ کے مابین جتنی منزلیں ہیں وہ ان سب کا شمار کرتے ہیں، ایام سفر کی پوری گنتی یاد رکھتے ہیں، حالانکہ یہ وہ زمانہ ہے جب نہ ڈائری اور روزنامہ لکھنے کا معمول تھا نہ حالات سفر قلمبند کرنے کا دستور، لیکن محبت خود سکھا دیتی ہے آداب خردمندی

راوی کہتے ہیں: "پھر آپ تشریف لے چلے یہاں تک کہ "ذی طوی" میں پہنچے وہاں آپ نے سنہرے کی رات گزاری، ذی الحجہ کی ۲۳ تاریخ گزار کر فجر کی نماز آپ نے وہیں ادا فرمائی، اسی دن غسل فرمایا اور مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔"

ایک ایسے سفر میں جس میں حدود درجہ مصروفیت و اہتہاک ہو، متعدد منزلیں ہوں، ہجوم کی کثرت ہو، اس میں ایک سانپ کے نکلنے اور پھر اس کے بچ نکلنے کا واقعہ بھی ان کی توجہ سے محروم نہ رہا۔

منی کی رات کا ذکر کرتے ہوئے روایت کرتے ہیں، ایک سانپ نکلا، لیکن جب اس کو مارنے کی کوشش کی گئی تو وہ اپنے گل میں گھس گیا، وہ اس شخص کا ذکر کرتے ہیں جس کو اس سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری پر بیچھے بٹھالیا تھا، حجام کا ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اس نے کس طرح بال بنائے۔ آپ نے دائیں طرف والوں میں کس کو عنایت فرمایا اور بائیں طرف والوں میں کس کو مرحمت فرمایا، یہ ساری باتیں وہ ہیں جن کو محبت کی کرشمہ سازی کے سوا کچھ اور نہیں کہا جاسکتا۔

بڑا اضاعت وقت ہوگا اگر ہم مشاہیر و وزراء کے سفر ناموں میں اس طرح کے نظائر تلاش کریں بہت سی قوموں نے اپنے انبیاء کی ناقص و ناقص تاریخ لکھی اور اس کا بہت بڑا حصہ ان سے ضائع ہو گیا، جس کے بغیر ان کے حالات کی تکمیل ہی نہیں ہو سکتی، ان کے احوال و اخبار کا بہت تھوڑا حصہ محفوظ رکھنے میں وہ کامیاب ہوئے، چنانچہ سیدنا ساجد علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کے متعلق زیادہ سے زیادہ جو ہم کو معلوم ہے وہ ان کی زندگی کے آخری تین سال کے واقعات ہیں، اس کے علاوہ

بہت متمدن و قدیم قوموں میں مذاہب اور فلسفوں کے بانی گزرے ہیں لیکن آج ان کے صرف نام نظر آتے ہیں اور اگر کہیں حالات بھی ملتے ہیں تو اتنے احمورے اور شہ جن سے نہ زندگی کے معاملات پر کوئی روشنی پڑتی ہے نہ ان کے اندر کسی نسل و قوم کی رہنمائی کا سامان ہے۔ حج اپنے مخصوص طرز و مزاج کی وجہ سے جس میں وہ دوسرے ارکان سے بہت ممتاز و مختلف ہے، نیز اپنے مسلسل نقل و حرکت، مختلف مناسک و اعمال اور عظیم سفر و جدوجہد، نیز ان احکام و آداب جزئیات اور لوگوں کے احوال کے اختلاف کی وجہ سے فقہ کے ابواب و مباحث میں سے ایک بہت وسیع باب اور نازک بحث ہے، اور ان میں احکام و مسائل کا بہت بڑا ذخیرہ ہے، اسی لیے حنفیہ و متاخرین ہر زمانہ کے علماء نے اس پر ہمیشہ اپنی خاص توجہ مرکوز کی، تابعین، تبع تابعین اور ان کے بعد کے علماء میں بہت سے ایسے لوگ تھے جو اس کے علوم اور اس کے فقہی مسائل میں امامت کا درجہ رکھتے تھے، اور اس میں ان کو اختصاص و کمال حاصل تھا، خلفاء اور ارباب حل و عقد کو بھی اس کا بہت اہتمام تھا، اور وہ اس کا اعلان کر دیتے تھے کہ زمانہ حج میں فتویٰ دینے کے مجاز صرف فلاں فلاں حضرات ہوں گے، خلفاء راشدین، خلفاء نبی امیہ اور بنی العباس سب کے یہاں امیرانج ضروری تھا اور اس کوچ کے موقع پر روانہ کیا جاتا تھا۔

علماء اسلام، فقہاء امت اور بڑے بڑے مصنفوں نے اس میں جس قدر دیدہ وری اور عرق ریزی سے کام لیا اور اس کا جس قدر استیعاب کیا وہ فقہ کے کسی اور شعبہ کے ساتھ نہیں کیا گیا، بہت سے لوگوں نے مناسک حج اور اعمال حج پر کتابیں لکھیں اور خاص اسی کو اپنے بحث و نظر اور مطالعہ کا موضوع بنایا، اگر وہ

کتابیں جو مختلف ملکوں، مختلف زبانوں اور مختلف زمانوں میں مناسک اور احکام حج پر لکھی گئی ہیں یکجا کی جائیں تو ایک پورا کتب خانہ تیار ہو جائے، بہت سے مصنف وہ ہیں جنہوں نے اس سلسلہ میں اپنے فقہی مسلک کو اساس بنایا، بہت سے وہ ہیں جنہوں نے سارے مسلکوں کا استیعاب کیا اور سب کے دلائل لکھے اور ان کا عملی موازنہ بھی کیا، بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے حجۃ الوداع پر پوری کتاب تصنیف کی۔

یہ سب باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ اسلام میں حج کا بہت بڑا مرتبہ ہے اور امت نے ہمیشہ اس سے غایت درجہ دلچسپی اور وابستگی رکھی ہے۔ چونکہ حج کا فریضہ سال میں صرف ایک مرتبہ

ادا کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ اجر عظیم، ثواب جزیل اور مغفرت کے جو وعدے ہیں "مَنْ حَجَّ فَلَمْ يَزِفْهُ وَلَمْ يَفْسُقْ، رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ" اس کے جو فضائل بیان کئے گئے ہیں اور اس سفر میں جو غیر معمولی اہتمام کیا جاتا ہے، تکلیفیں و مشقتیں برداشت کی جاتی ہیں، کبھی سمندروں کو عبور کرنا ہوتا ہے کبھی صحراؤں اور ریگستانوں کو، خطرہ بھی مول لینا پڑتا ہے، گھریار اور اہل و عیال سے جدائی بھی ہوتی ہے، احرام کے احکام اور شرائط کی پابندی کرنی پڑتی ہے، فسق و فجور، سخت کلامی اور بدزبانی سے بچنا ہوتا ہے، یہ سب باتیں خود اس کی منتقنی ہیں کہ اس کے مسائل و آداب سے واقفیت

کی پوری بلند ہمتی اور عزیمت کے ساتھ فکر کی جائے اور ساری توجہ اور طاقت اس کو درجہ کمال تک پہنچانے پر مرکوز کر دی جائے، اور شمار کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت پر عمل کیا جائے اور آپ کے نقوش پا کو چراغ راہ بنایا جائے اور اپنی امکانی طاقت تک آپ کی پیروی و اتباع اور نقل و تقلید میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج سے امت کے اس تعلق کا راز اور اس کی بنیادی اہمیت یہی ہے، اور یہ حج ہر مسلمان کے لیے تاقیامت ایک ایسا مثالی حج ہے جو اس کو ہمیشہ راہ ہدایت اور جادۂ استقامت پر قائم رکھ سکتا ہے۔ ☆☆☆☆

اسلام قربانی ہے

علامہ سید سلیمان ندوی

اسلام کے لفظی معنی اپنے کو دوسرے کے سپرد کر دینا اور طاعت و بندگی کے لیے گردن جھکا دینا ہے۔ اور یہی وہ حقیقت ہے جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے اس ایثار قربانی سے ظاہر ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان باپ بیٹوں کی اطاعت اور فرمانبرداری کے جذبہ کو صحیفہ محمدی میں اسلام کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے فرمایا: "جب ابراہیم اور اسماعیل اسلام لائے (فرمانبرداری کی یا اپنے کو خدا کے سپرد کر دیا) اور ابراہیم نے اپنے بیٹے (اسماعیل) کو پیشانی کے بل زمین پر لٹایا۔ اور کون ابراہیم کی ملت کو پسند نہ کریگا لیکن وہ جو خود بیوقوف بنے ہم نے اس کو دنیا میں مقبول کیا اور وہ آخرت میں بھی نیکوں میں سے ہوگا، جب اس رب نے اس سے کہا کہ اسلام لا (یا فرمانبرداری کر یا اپنے کو سپرد کر دے) تو اس نے کہا میں نے پروردگار عالم کی فرمانبرداری کی (یا اپنے کو اس کے سپرد کر دیا)۔"

الغرض ملت ابراہیمی کی حقیقت یہی اسلام ہے کہ انہوں نے اپنے کو خدا کے ہاتھ میں سوپ دیا اور اس کے آستانہ پر اپنا سر جھکا دیا، یہی اسلام کی حقیقت ہے اور یہی ابراہیمی ملت ہے۔ اور اسی بار امانت کو اٹھانے کے لیے حضرت ابراہیم بار بار خدا کے حضور دعا فرماتے تھے کہ ان کی نسل میں اس بوجھ کو اٹھانے والے ہر زمانہ میں موجود ہیں۔ اور بلاخر ان کی نسل میں وہ امین پیدا ہوا جو اس کی امانت کو لے کر تمام دنیا پر وقف عام کر دے چنانچہ دعا فرمائی تو یہ فرمائی۔ "ہمارے پروردگار ہم کو معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ ہمارے پروردگار! اس میں اپنا ایک رسول بھیج جو تیری آیتیں ان کو پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھائے اور ان کو پاک اور صاف کرے تو غالب اور حکمت والا ہے۔" (بقرہ: ۱۵) یہ رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے، یہ کتاب قرآن پاک تھی، یہ حکمت سینہ محمدی کا خزانہ علمی و عملی تھا اور یہ مناسک، اسلام کے ارکان حج تھے۔

☆☆☆☆

بحث و نظر

مصادر سیرت نبوی صلی اللہ

دارالمصنفین کے سیرت سمینار (۱۰، ۹، ۱۱ اکتوبر ۲۰۱۰ء) میں پیش کیا گیا کلیدی خطبہ

ڈاکٹر سید سلیمان ندوی ☆

میں دارالمصنفین شبلی ایڈمی کے کارکنان خصوصاً ناظم دارالمصنفین ڈاکٹر پروفیسر اشتیاق احمد ظلی صاحب اور ان کے رفقاء کا انتہائی ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے اس علمی مجلس میں حاضری کی دعوت دی اور شرکت پر اصرار فرمایا۔ تم بالائے تم یہ ہوا کہ حکم دیا گیا اور اصرار کیا گیا کہ اس علمی مذاکرہ میں کلیدی خطبہ بھی پیش کروں۔ میں نے اپنی علمی کم مائیگی اور کم علمی کا بھی عذر کیا مگر ان کا اصرار میرے انکار پر غالب آیا اور اشتیاق صاحب کے حل عاقبت میں ہی امان سمجھی۔

زہر دیں اس پہ یہ تاکید کہ پینا ہوگا مجھے اپنی علمی کم مائیگی کا نہ صرف احساس ہے بلکہ اس کا ادراک بھی ہے، اور اس سے بڑھ کر جس نسبت عالی کے تعلق سے مجھے دعوت دی گئی ہے اس کا بھی احساس ہے، دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے صحیح طور پر اس نسبت کا مستحق بھی بنائیں۔

کبرنی موت الکبراء۔ یہ بھی ایک علمی سانحہ سے کم نہیں کہ چند سال پہلے ایسی بلند وبال علمی شخصیتیں موجود تھیں جو اس علمی مجلس کے وقار میں کئی گنا اضافہ کر دیتیں، بالخصوص اگر آج حضرت الاستاذ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی حیات ہوتے تو اس مجلس کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا، جو حضرات اسی دارالمصنفین کے زیر اہتمام ۱۹۸۲ء والے بین الاقوامی "اسلام" سیمینار میں شریک تھے وہ شہادت

پروفیسر ڈاکٹر سید سلیمان ندوی، ساؤتھ افریقہ

دیں گے کہ مولانا کی سحر آفریں شخصیت کے زیر اثر عالمی حیثیت کے حامل علماء کا ایک عظیم الشان اجتماع ہو گیا تھا اور درخشش علمی ستاروں کی شرکت نے خود دارالمصنفین اور اس کے پڑوسی ادارہ شبلی کالج کو بقیہ نور بنا دیا تھا۔ تاریخ کا سفر تو کسی کا انتظار نہیں کرتا مگر ساتھ ہی اس کی بھی خوشی ہے کہ اس علمی مجلس کے وقار میں مزید اضافہ مولانا علی میاں کے جانشین ناظم ندوۃ العلماء اور دارالمصنفین کی مجلس انتظامیہ کے رکن رکیں اور میرے کرم فرما مولانا سید محمد رابع الحسنی ندوی اطال اللہ بقاہ کی شرکت اور صدارت

سے ہوا ہے۔ مولانا رابع صاحب ۱۹۸۲ء کے دارالمصنفین کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے مستشرقین کے علمی مذاکرہ میں شریک تھے، اس مذاکرہ میں تقریباً ۳۵ طلباء ندوۃ العلماء نے ہر قسم کی خدمات انجام دی تھیں، مجھے امید ہے کہ دارالمصنفین اور ندوۃ العلماء کے مابین یہ قیمتی رشتہ قائم رہے گا، دراصل یہ رشتہ ایک قیمتی ورثہ ہے، اس کو ٹوٹنے نہ دیا جائے، دارالمصنفین کے بانیوں نے اور اس کے اولین جانشینوں نے اس رشتہ کو مضبوط بنائے رکھا، ندوہ کے ہونہار اور علمی ذوق رکھنے والے فارغ تلامذہ کی دارالمصنفین کی علمی آبیاری کی ضرورت اظہار من القمیس ہے اور اب بھی ندوہ سے منتخب فارغ طلباء سے نفع حاصل کیا جا سکتا ہے۔

میرے لیے یہ موقع بلکہ میری دارالمصنفین

میں ہر آمد بڑی جذباتی ہوتی ہے، میری پیدائش، میرا بچپن اور میری جوانی کا آغاز اسی مقدس چہار دیواری کا مرہون منت ہے، میری آنکھوں کے سامنے ایک مسلسل تصویر کی طرح سارے مناظر گھوم جاتے ہیں، غیر منقسم ہندوستان کے اکابر کی آمد، عصر کے بعد چائے نوشی کی مجلس، کبھی اقبال سبیل صاحب مرحوم کی بذلہ سنجیاں کبھی حاجی غفور (خستہ بسکٹ) کی آزاد شاعری، کبھی مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی کی پروقا را مذاور گفتگو، کبھی شاہ عبدالغنی صاحب پھول پوری کی جبری نمازوں کی امامت، کبھی خواجہ عزیز الحسن مجذوب صاحب کا قیام اور شعر و شاعری، کبھی جگر مراد آبادی مرحوم کی غزل سرائی، کبھی محدث کبیر مولانا حبیب الرحمن اعظمی کی مجلس اور ان سے والد ماجد کی پر لطف چھیڑ چھاڑ، کبھی مولانا عبدالسلام ندوی پران کی طرح دار جامہ دانی کی شروانی پر مولانا شاہ معین الدین ندوی مرحوم اور سید صباح الدین عبدالرحمن مرحوم کی تنقید و اعتراض، کبھی رمضان میں ظہر کی نماز کے بعد والد ماجد کا درس قرآن جس میں مولانا اویس ندوی نگرانی اور مولانا حبیب اللہ صاحب ندوی کی بالا ہتمام شرکت و حاضری اور کبھی ہمارے گھر اور مولانا مسعود علی ندوی کے گھر کے سامنے ہر سنگھار درخت کے پھولوں کے چھنے میں بچوں کا آپس میں جھگڑا۔

اڑائے کچھ ورق لالہ نے کچھ زگس نے کچھ گل نے چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری اس اہم علمی مذاکرہ کے موقع پر سابق ناظم دارالمصنفین مولانا ضیاء الدین اصلاحی مرحوم کی یاد بے ساختہ آتی ہے، انہوں نے صباح الدین عبدالرحمن مرحوم کے اندوہناک حادثہ انتقال کے بعد بہت مشکل وقت میں دارالمصنفین کا نظم و نسق سنبھالا تھا اور انہوں نے نومبر ۲۰۰۰ء میں مولانا شبلی مرحوم پر ایک مذاکرہ کا اہتمام کیا تھا، ان کی مہمان

نوازیوں کا لطف کئی بار اٹھا چکا ہوں۔ بڑے حوصلہ و ہمت سے نظامت کی خدمات انجام دیں۔ انہیں یادوں کی کشش مجھے ہر بار ہندوستان میں آمد کے موقع پر دارالمصنفین کھینچ لاتی ہے، میری مادر علمی ندوۃ العلماء کی داستان کا یہ موقع نہیں۔ کبھی فرصت سے سن لینا بڑی ہے داستان میری ۱۹۸۲ء والے مستشرقین کے سیمینار میں اپنے جذبات کی ترجمانی جس شعر سے کی تھی وہی آج بھی اس موقع پر دہرانے کے قابل ہے۔

میں اپنے گھر میں آیا ہوں مگر انداز تو دیکھو میں اپنے آپ کو مانند مہمان لے کر آیا ہوں دارالمصنفین میں جس کے احاطہ میں مسجد کے قریب مولانا شبلی مدون ہیں اس بات کا حق دار تھا اور یہ مناسب بھی تھا کہ یہاں سیرت پر علمی مذاکرہ منعقد کیا جائے۔ اس لحاظ سے ناظم دارالمصنفین ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی صاحب اور ان کے رفقاء کار خصوصاً عمیر الصدیق صاحب قابل مبارک باد ہیں کہ اس علمی اجتماع کا انتظام مالی و انتظامی مشکلات کے باوجود پایہ تکمیل کو پہنچا سکے۔

جہاں تک اس علمی مذاکرہ کے موضوع کا تعلق ہے وہ بہت بروقت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے سلسلے میں مستشرقین یا ہمارے بعض تجدید دین نے جوٹھو کریں کھائی ہیں ان کا سبب بھی یہی تھا کہ سیرت کو تاریخ کا ایک جز سمجھ کر مغازی اور تاریخ کی کتابوں تک محدود رکھا۔ ہندوستان اور پاکستان کی کئی جامعات کے پی ایچ ڈی (Ph.D.) کے کئی مقالوں کو بحیثیت محقق پڑھنے کا موقع ملا اور ملتا ہے۔ ان مقالوں میں حوالہ کے لیے قرآن پاک اور احادیث کے ذخیرہ کو اصل ماخذ قبول کرنے کے باوجود ابن اسحاق، ابن ہشام و طبری سے لے کر ابوالفداء اور ابن اثیر تک کے حوالے دیے جاتے ہیں، چاہئے تو یہ تھا کہ ان حقد میں نے جن راویوں کو اپنا ماخذ

بنایا ہے ان کا تجزیہ اور تحقیق کی جائے کہ وہ کس حد تک قابل اعتماد یا قابل قبول ہیں۔ اہل علم جانتے ہیں کہ حضرت عثمان کے دور خلافت کے آخری حصہ میں اور پھر حضرت علی کے زمانہ میں اور ماجد ایسی سیاسی تحریکیں جن میں اسلام کے بعض مذہبی عناصر کو بھی شامل کر دیا گیا تھا پیدا ہوئیں۔ ان تحریکوں نے حامی اور مخالف دونوں ہی قسم کے رواۃ اور روایات کو جنم دیا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ کسی راوی کا حوالہ دینے سے پہلے اس راوی کی وفاداری (Allegiance) اور اس کے ذاتی رجحان کا بھی سراغ لگایا جائے۔ اس سلسلے میں ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں روایات کے قبول و انکار اور ثقہ اور غیر ثقہ کے جاری نظام پر سخت تنقید کی ہے اور پھر قبول و انکار کے اصول بیان کیے ہیں۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ ابن خلدون نے خود اپنی تاریخ ”کتاب العمر“ میں اپنے ان اصولوں کی پیروی نہیں کی۔ سیرت کے ماخذ پر جب بھی بحث کی جائے گی مغازی کے مشہور مصنف محمد ابن عمر الواقدی (۲۰۷/۸۲۲م) کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ واقدی کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے پر اس کے مداحوں اور ناقدین کے درمیان معرکہ الآراء ہمیشہ اور مناظرے ہو چکے ہیں۔ مولانا شبلی نے سیرۃ النبی کے مقدمہ میں اور سجاد واقدی پر سخت تنقید کی ہے اور اس کو غیر معتبر قرار دیا ہے اور یہ بھی فیصلہ دیا ہے کہ واقدی کا کتاب و شاگرد محمد ابن سعد (۲۴۰/۸۴۵م) ثقہ اور معتبر ہے لیکن اس کا استاد واقدی قابل اعتبار نہیں۔ پھر واقدی کے معتبر اور غیر معتبر کے مسئلہ پر والد ماجد کا مباحثہ آکسفورڈ یونیورسٹی کے عربی کے استاد پروفیسر مارگولیتھ (Margoliouth) سے پہلے ۱۹۲۶ء میں پھر ۱۹۲۷ء میں ہوا تھا۔ یہ مباحثہ مقالات سلیمان کی جلد دوم میں مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ مارگولیتھ سے پہلی ملاقات والد ماجد کی لکھنؤ میں ۱۹۱۶ء میں ہوئی تھی جب وہ ہندوستان آئے تھے۔

پھر جب والد ماجد خلافت وفد کے ساتھ لندن ۱۹۲۰ء میں گئے تھے تو پھر دوبارہ مارگولیتھ سے ملاقات ہوئی تھی والد ماجد ۱۹۳۰ء میں مارگولیتھ کے انتقال پر وفیات کے عنوان کے تحت ان کا تذکرہ کیا تھا اور یہ دلچسپ مگر حقیقت پر مبنی جملہ تحریر کیا ہے۔

”یہ نسلاً یہودی تھے پھر عیسائی ہو گئے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان کو اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام سے اکہری نہیں بلکہ دوہری عداوت تھی۔ ان کی عمر بھر کا سرمایہ اسلام پر مہذب غارت گری ہے۔“

ہر ملاقات میں کسی نہ کسی طرح واقدی پر گفتگو رہی۔ مذکورہ بالا دونوں مضامین میں والد ماجد نے واقدی کے بے اعتباری پر بحث کی ہے اور ناقدین رجال کے نقد کی روشنی میں ان کے غیر ثقہ ہونے پر دلائل دیئے ہیں۔ والد ماجد سے میری گفتگو کبھی اس موضوع پر نہیں ہوئی۔ میں نے اپنی انگریزی تعلیم کے آغاز پر جب مولانا شبلی کی واقدی پر تنقید اور والد ماجد کے مضامین کا مطالعہ کیا تھا تو اس وقت میرا تنقیدی شعور ”تابا لبح“ تھا۔ پھر امریکہ میں وہاں کی مشہور شکار گویو نیورسٹی میں اپنی ڈاکٹریٹ کی تعلیم کے سلسلے میں مولانا شبلی کے مقدمہ سیرت اور والد ماجد کے واقدی پر مضامین کا دوبارہ یہ نظر غائر مطالعہ کا موقع ملا۔ میرا ذاتی تاثر یہ ہے کہ انہوں نے کچھ تو اپنے استاذ کے تتبع میں اور زیادہ مستشرقین کی معاندانہ تحریروں کے تناظر اور جواب میں واقدی کو ساقط الاعتبار ثابت کیا ہے اصل بات یہ ہے کہ واقدی کو یا ابن اسحاق کو احادیث کے قبول و عدم قبول اور ثقہ یا غیر ثقہ ہونے کے اصولوں پر پرکھنا مکمل نظر ہے۔ علم الرجال کی کتابوں میں بہت ہی کم رواۃ ایسے ملیں گے جن کے ثقہ ہونے پر سب کا اتفاق ہو۔ ورنہ اکثر میں دونوں ہی قسم کے فیصلے ملیں گے۔ پھر یہ کہ رجال کے ماہرین کا اصل تا

نظر تو احادیث کا فن تھا۔ سیرت و تاریخ کا موضوع ان کے لیے غرضی تھا۔ واقدی کی مقبولیت مستشرقین کے نزدیک اس لیے تھی کہ ابن اسحاق اور سیرت ابن ہشام کے مقابلے میں واقدی کی کتاب المغازی بہت تفصیل و تسلسل مہیا کرتی ہے۔ ان کی مقبولیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ واقدی کی مغازی کے ناقص اور مکمل دونوں ہی قسم کے کئی ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں۔ مشہور جرمن مستشرقین ولہاؤزن (Wellhausen) نے ویانا (Vienna) کی لائبریری سے ۱۸۸۱ء میں اس کا ایک نسخہ حاصل کر کے ۱۸۸۲ء میں شائع کیا۔ اسی طرح مشہور مستشرقین وان کریمر (Von Kremer) نے دمشق کی لائبریری سے نامکمل مسودہ حاصل کر کے ۱۸۵۵ء میں شائع کیا۔ پھر قاہرہ کی امریکن یونیورسٹی کے عربی کے پروفیسر مارسڈن جونز (Marsdon Jones) نے مغازی کا مکمل مسودہ برٹش میوزیم سے حاصل کر کے دوسرے شائع شدہ اور غیر شائع شدہ مسودوں سے مقابلہ کر کے اپنی تحقیق اور عالمانہ مقدمہ کے ساتھ تین جلدوں میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے ۱۹۶۶ء میں شائع کیا اور اب یہی ایڈیشن عام طور پر رائج ہے۔ واقدی پر تنقید اور ان کے غیر معتبر ہونے کے فیصلے کے باوجود امام شافعی نے اپنی ”محساب الام“ میں سیر الواقدی کا عنوان باندھ کر سیر پر بحث کی ہے۔

مذکورہ بالا مثال سے یہ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واقدی کے خلاف مولانا شبلی مرحوم اور والد ماجد کی جارحانہ تنقید اور ان کو ساقط الاعتبار ثابت کرنا دراصل مستشرقین کے اس مقبول ماخذ پر چوٹ لگانا تھا۔ مولانا شبلی اور والد ماجد واقدی کے خلاف ناقدانہ تحریروں سے متاثر ہو کر میں نے ایک مضمون انگریزی میں اپنی امریکہ میں تعلیم کے

دوران واقدی پر لکھا تھا۔ اس حقیر کی تحقیق یہ تھی کہ جس طرح ”الترغیب والترہیب“ کی احادیث شدید محدثانہ نقد سے نہیں گزریں اسی طرح مغازی اور تاریخی کتب کی روایات بھی محدثانہ اصول نقد کے ترازو پر نہیں تولی گئیں۔ ان کتب میں ایسی روایات بھی ہیں جو راویوں کی اپنی ذاتی، سیاسی یا اعتقادی مکتبہ فکر سے وفاداری کے نتیجہ میں ناقابل قبول ہیں۔ اس لیے یہ طے ہے کہ قرآن یا احادیث کے مجموعوں میں کسی واقعہ کا ذکر سیرت کے تعلق سے تاریخی کتب میں بیان کردہ روایت کے خلاف ہو تو قرآن وحدیث ہی میں مذکورہ بیان یا اشارہ قبول کیا جائے گا۔ اسی لیے واقدی ہوں یا ابن اسحاق طبری ہوں یا ابن اثیر جن راویوں کو ماخذ مان کر یہ روایت بیان کرتے ہیں ان پر تحقیق کی ضرورت ہے۔ روایات کے ماخذ خواہ معمر بن راشد ہوں یا سائب کلبی ان پر تنقیدی نظر ڈالنے کی ضرورت ہے کہ کسی واقعہ کے بیان کرنے میں ان کے ذاتی رجحان کو کتنا دخل تھا۔ اس لیے میرا ذاتی تاثر یہ ہے کہ تاریخ اور مغازی کے متعلق روایات کو محدثانہ نقد کے اصول و درایت پر ضرور پرکھا جائے۔ اصول و درایت سے اغراض نتائج تحقیق میں خلفشار و غلطی کا باعث ہوگا۔ مغازی اور سیرت کی کتب سے مستشرقین کی دلچسپی کے اسباب کا تجزیہ اس وقت موضوع سے باہر ہے ورنہ بات بہت بچھل جائے گی۔ لیکن اتنی بات اس وقت کہی جاسکتی ہے کہ ہمیں ان کا احسان ماننا چاہئے کہ ہمارے علمی اثاثوں کو جرمنی فرانس اور برطانیہ کے مستشرقین نے کتب خانوں سے ڈھونڈ کر شائع کیا۔ ساتھ ہی یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ استعماری طاقتوں نے ہمارے علمی جواہر کو ہمارے یہاں سے چرا کر اپنی درس گاہوں کے کتب خانوں اور میوزیم (Museum) میں

سجایا۔ ۱۹۲۰ء میں وفد خلافت کے سلسلہ میں جب والد ماجد لندن گئے اور برٹش میوزیم میں مغل بادشاہوں اور ٹیپو سلطان کے زمانہ کے مسودوں کے علاوہ پیپر ویٹ (Paper Weight) کو جن پر فارسی اشعار کندہ تھے دیکھ کر ان کے اوپر کچھ گزری اس کی کسی قدر تفصیل معارف میں بیان کی ہے۔ یہی صورت حال اقبال مرحوم کو پیش آئی اور بے اختیار رتب کر گیا ہوں۔

گمروہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی جو دیکھیں ان کو یورپ میں تولد ہوتا ہے ہی پارہ اللہ تعالیٰ مولانا شبلی مرحوم کی قبر کو نور سے بھر دے کہ انہوں نے سیرت کو ایک مستقل فن (Discipline) کی حیثیت سے روشناس کرایا اور اصل ماخذ قرآن وحدیث کی طرف توجہ دلائی۔ سیرت النبی کی ساتوں جلدوں میں اس ماستہاد کو دکھا جاسکتا ہے۔ وہ رواۃ جو مغازی و سیرت کے ماخذ قرار پائے ہیں اور جن کے واسطے سے روایتیں پہنچی ہیں ان پر نقد و چھان بین کیے بغیر کسی واقعہ کا قبول کرنا خطرہ سے خالی نہیں ہے۔

مذکورہ بالا اشارات کے تناظر میں اس سیمینار کا موضوع، سیرت کے ماخذ بہت ہی مناسب اور بروقت ہے میں نے مذکورہ بالا حقیر گزارشات میں ماخذ کے بارے میں جن امور کی طرف توجہ دلائی ہے اس سے غفلت یا اغماض برتنا اور رواۃ کے سیاسی یا اعتقادی رجحانات اور ان کے مکتبہ فکر کی تحقیق کے بغیر نہ تو سیرت پر اور نہ ہی اسلامی تاریخ کے واقعات پر قابل اعتبار کام ہو سکتا ہے۔

آخر میں اس علمی نگہداشت دارالمصنفین کے بانی مولانا شبلی مرحوم اور پھر ان کے جانشینان اول علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالسلام ندوی اور مولانا مسعود علی ندوی رحمۃ اللہ علیہم اور ان کے بعد کے

جائیں مولانا شاہ مبین الدین مرحوم ندوی، سید صباح الدین عبدالرحمن مرحوم اور پھر مولانا ضیاء الدین اصلاہی مرحوم اور ان کے رفقاء کو خراج تحسین پیش کرنا چاہتا ہوں کہ جس خلوص و ایثار کے ساتھ ان سب نے اس گلستانِ علمی کی آبیاری کی ہے اس کی مثال کم ہی ملتی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنی رحمت و مغفرت کی بارش کرے۔ اس ادارہ کے بانیوں کے ہی خلوص کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے برکت عطا فرمائی۔ امام مالک کا قول صحیح ہے کہ خلوص کو بقا ہے۔ "هل جزاء الاحسان الا الاحسان" اس کا ایک بین ثبوت یہ ہے کہ اس ادارہ کا علمی مجلہ "معارف" جو ۱۹۱۶ء سے نکلنا شروع ہوا تھا آج بھی الحمد للہ جاری ہے ورنہ کتنے ہی مجلے اس عرصہ میں مرحوم ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ دارالمصنفین کے آج کے ذمہ داران و رفقاء کو وصلہ و ہمت عطا کرے کہ موجودہ ناظم ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی صاحب کی رہنمائی میں نامساعد حالات کے باوجود اس چراغ کو روشن رکھے رہیں۔ اشتیاق صاحب اپنی مختصر مدتِ نظامت میں کئی اہم اقدامات عصری تقاضوں کی روشنی میں کیے ہیں۔ معارف کی جلدوں کو کمپیوٹر پر بھی منتقل کرایا ہے۔ میں اپنی ایک تجویز جو میں نے ۱۹۸۲ء کے مستشرقین والے سہار میں پیش کی تھی دہرانا چاہتا ہوں۔ ہمارے پاس سیرت یا اسلامی تاریخ پر جو سرمایہ ہے وہ الحمد للہ بہت بڑا اور کافی ہے۔ یہ سرمایہ اردو میں ہے، یہ ایک حقیقت ہے کہ اردو زبان میں اس ذخیرہ سے ہندوستان و پاکستان کے اردو حضرات فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ مگر آپ کو حیرت نہ ہونی چاہئے کہ سنجیدہ و اسلامی لٹریچر سے کم ہی استفادہ کرتے ہیں، اپنی نصابی کتابوں کے علاوہ اضافی کتب کے مطالعہ کا شوق نہیں رہا۔ مولانا علی میاں نے پاکستان میں ایک مدرسہ کا معاہدہ کرنے کے بعد مجھ سے ایک شعر میں اپنے جذبات کا اظہار کیا تھا۔

کے خبر کہ سینے ڈبو چکی کتنے فقیہ و صوفی و ملا کی ناخوش اندیشی یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مرور زمانہ کے ساتھ آج دنیا کی علمی زبان انگریزی ہو چکی ہے۔ مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد اس وقت یورپ اور امریکہ میں آباد ہے، ان کی مادری زبان اب انگریزی ہو چکی ہے، یہ اپنی تاریخ سے واقف نہیں، یورپ و امریکہ میں درسی نصاب میں مستشرقین ہی کی کتابیں داخل ہیں، خدا کا شکر ہے کہ جماعت اسلامی کا لٹریچر اور پھر ہمارے مولانا علی میاں کی کتابوں کا انگریزی ترجمہ دستیاب ہے، لیکن اب بھی خزاں کا عالم ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ دارالمصنفین سے شائع شدہ لٹریچر اور کتابوں کے انگریزی ترجمہ کا اہتمام کیا جائے، مجھے اس کا بھی احساس ہے کہ ترجمہ کا کام آسان نہیں ہے، مترجم کو اردو و عربی کے ساتھ انگریزی میں بھی مہارت چاہئے، انگریزی ہندی انگریزی نہ ہو بلکہ انگریزی والی یا اس سے ملتی جلتی انگریزی ہو، اس کی آسان شکل یہ ہے کہ ایک مجلس دو مجہروں پر مشتمل ہو، ایک شخص اردو و عربی جاننے والا ہو اور ایک انگریزی جاننے والا ہو دونوں کے اشتراک سے ترجمہ کا کام انجام پاسکتا ہے۔ اب دارالمصنفین کو چاہئے کہ اپنی کتابوں کو انگریزی میں منتقل کر کے ان کی نکاسی کا اہتمام بیرون ہند اور اندرون ہند پاک کیا جائے۔ یہ ایک شکل آمدنی کی بھی ہوگی۔ مجھے اس کا بھی احساس ہے کہ اس میں مالی دشواری کا بھی سامنا ہوگا، اس لیے کتابوں کا انتخاب و طباعت ایک قسط وار سلسلہ سے کی جائے، وہ کتابیں جو ضخیم نہیں ہیں، ان سے آغاز کیا جائے۔

سفر ہے شرط مسافروں بہترے ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہیں مولانا شبلی مرحوم نے عدوہ کی خدمات کے سلسلہ میں ایک بار کہا تھا کہ عدوہ نے ایک سید سلیمان پیدا کیا بہت کیا، اسی طرح سے دارالمصنفین نے جو قیمتی علمی سرمایہ مہیا کیا ہے وہ قابلِ افتخار ہے، اب ضرورت ہے کہ اس سرمایہ کو انگریزی خواں حضرات تک پہنچایا جائے، میری اپنی عمر کا آفتاب بھی لب بام ہے نہ جانے کب غروب ہو جائے لیکن پھر بھی اس سلسلہ میں کسی تعاون کی ضرورت ہوگی تو بشرط حیات حاضر ہوں، اس منصوبہ کے لیے ایک جامع منصوبہ کی ضرورت ہے، اپنے مالی و انتظامی حالات کے تناظر میں اس منصوبہ پر غور کیا جائے، مترجم کے لیے دارالمصنفین میں قیام ضروری نہیں ہے، ترجمہ کی اشاعت کے سلسلہ میں عصری اور زمانہ حال کے فنی امور وغیرہ کا لحاظ بھی کیا جائے، اس منصوبہ کی تکمیل کے لیے آہم کارگاہی سے بھی کام لیا جائے۔

آخر میں آپ حضرات گرامی قدر کا ممنون ہوں کہ آپ نے صبر و تحمل کے ساتھ میرے ان منتشر خیالات کو سنا اور صبحِ خراش پر صبر سے برداشت کیا، میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس علمی مذاکرہ کو کامیاب کرے اور اس کے مفید نتائج سے ہم سب کو بہرہ ور کرے، میری اس طول کلامی میں ایک عنصر میرے اپنے جذبات کا بھی تھا، اس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

لذیہ بود حکایت دراز گفتم یا پھر غالب کا مصرع ذکر اس پری و ش کا اور پھر بیان اپنا و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

عشق کے مارے کی تمنا

مولانا سید محمد ثانی حسینی

دنیا میں کون ہے جس کو کوئی نہ کوئی تمنا بے چین نہ کرتی ہو جس کے دل میں کسی نہ کسی خواہش کا بیڑا نہ ہوتا ہو جب تک زندگی قائم ہے خواہشات و تمناؤں کا جہوم رہتا ہے اور پھر خواہشات کیسی دولت کی عزت کی، مال کی، حکومت کی، ترقی و خوش حالی کی، قوت و غلبہ کی، صحت و عافیت کی غرض کہ سیکڑوں تمنائیں، آرزوئیں چمکتی رہتی ہیں۔

ایک مرد مومن کے لیے ایک محبت و عشق کے مارے ہوئے کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا تمنا ہوگی کہ اس کو دیارِ حبیب میں زندگی کے چند دن مل جائیں اور وہ اس کی خاک پاک کا پیوند ہو جائے کیا یہی تمنا کروڑوں مسلمانوں کے دلوں میں نہیں چمکتی کیا کسی مسلمان کا دل اس خواہش سے خالی ہے کیا مدینہ کے نام سے آنکھوں میں چمک، دلوں میں مسرت نہیں پیدا ہوتی کیا اللہ کیا پیارے نبی (ہم سب کی جانیں قربان ہوں) کا نام نامی سن کر خدا ہو جانے کو جی نہیں چاہتا؟

کیا کروڑوں کیا ہزار ہا کروڑ مسلمانوں اور فداہ ابی و ابی کے فداچیوں نے اسی حسرت میں جان تک نہیں دے دی؟ کیا اس کے ہجر و فراق میں دفتر کے دفتر سیاہ نہیں ہوئے اس سے کون انکار کر سکتا ہے، کیا لاکھوں شعراء کے دیوان، ہزاروں اہل قلم کے مضامین، لاکھوں بے زبانوں کی بے زبانی، کروڑوں آنکھوں کے آنسو اور اربوں دلوں کی

حسرتیں اس فدائیت و جاں نثاری کا ثبوت نہیں ہیں، اور اسی خواہش میں ان گنت مسلمانوں نے تڑپ تڑپ کر دم نہیں توڑ دیا وہ مدینہ پاک جس کے ذرہ ذرہ کو دنیا میں سب سے بڑے سب سے افضل، سب سے بہتر رحمت عالم، شفقت مجسم، حضرت محمد رومی فداہ نے اپنے قدم سے نوازا وہ مدینہ جس کی فضا میں ابھی تک محبوب رب العالمین کے مبارک اثرات کو اپنے بازوؤں میں سینے ہیں، وہ مدینہ پاک جو سرور کائنات کے جسم اطہر کا امین ہے، جو مہبطِ وحی ہے جس کے دامن میں محبوب اور محبوب کے محبوبوں کی آرام گاہیں ہیں، کیوں نہ اس پر مرنے اور دفن ہونے کی ہر مومن کی تمنا ہو، وہ مدینہ اس قابل ہے کہ اس کی خاک کو آنکھوں کا سرمہ بنایا جائے، جس کے کانٹے سارے جہاں کے پھولوں سے بہتر جس کا ذرہ ذرہ مہر تاباں، جس کی فضا میں معطر اور مشکبار ہیں اس کا پلہ ساری دنیا سے بھاری ہے۔

خاک بیڑ از دو عالم خوش تراست اے خاک شہرے کہ آنجا دلبر است اس حقیقت کو وہ لوگ کیا جانیں جن کے دل محبت و عشق کے سرمایہ سے خالی ہیں۔ جن کی آنکھیں خشک ہو چکی ہیں جن کو دنیا کی ہوس پرستی سے فرصت نہیں، جو قومیت و وطنیت کے کنوؤں کے مینڈک بنے ہیں، جن کو اپنے بزرگوں، اپنے رہنماؤں

اور مذہب سے کوئی لگاؤ اور تعلق نہیں ہے، جو مادیت ہی کے پرستار ہیں جو ہر چیز کو عقل کی ناپ سے ماپتے ہیں اور جن کا دل پتھر ہے۔

ہر ایک کو اپنا وطن محبوب ہوتا ہے، لیکن محبوب کے وطن پر لاکھوں وطن قربان، محبوب کی عزت پر ہزاروں عزتیں نثار، محبوب کے اشاروں پر کروڑوں جانیں فدا۔ محبوب کے وطن کی خاک پر خشکی و تری کا ذرہ ذرہ اور قطرہ قطرہ نثار

کوچہ جانان کا ہر رخہ چراغ طور ہے کون ایسی مسلمان ہے جو دیارِ محبوب کے فراق میں آنسو نہ بہاتی ہو، کون ایسا مومن دل ہے جو اس کے ہجر میں نہ تڑپتا ہو، کون ایسا جسم ہے جو خاکِ مدینہ کی گود میں سونا نہ چاہتا ہو، اگر شہیدی نے یہ تمنا کی تو کیا بیجا کی، کیا مبالغہ سے کام لیا، جو کہا حقیقت کہا، صرف اپنی تمنا کا اظہار نہیں کیا، بلکہ ہر مسلمان کے دل کی ترجمانی کی۔

تمنا ہے درختوں پر ترے روضہ کے جانیٹھے قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اپنی اس تمنا کو پالیں، کہتے ہیں کہ شہیدی نے یہ تمنا کی خدا نے ان کو حج و زیارت سے نوازا اور صرف نوازا ہی نہیں، بلکہ تمنا کا حرف حرف پورا کیا، ادھر انہوں نے مدینے میں قدم رکھا، نظر گنبد خضرا پر پڑی اور روح جسم سے آزاد ہو گئی اور گنبد خضرا کے درختوں پر اپنا مسکن بنایا اور دین و دنیا کی دولت لوٹ لی۔ عشق و محبت اس کو کہتے ہیں، ان کی خوش بختی کا کیا ٹھکانا جو پیارے حبیب کے قدموں تلے چند دن گزار دیں، کبھی روضہ نبوی کے سامنے حاضر ہوں، سر نیاز جھکا کر اپنی پستائیں آنسو بہائیں، سلام پڑھیں درود بھیجیں

اور زبان حال سے کہیں۔

فدا ہوں آپ کی کس کس ادا پر
ادائیں لاکھ اور بے تاب دل اک
کبھی جنت کی کیاری میں جا کر سر بسجود ہوں،
کبھی محراب نبوی میں جا کر اس مقام پر اپنا سر نہیں،
جہاں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک
رہتے تھے، اس خاک پاک کو اپنے آنسوؤں سے
ترکریں، کبھی ستون عاقل کو تھامیں، کبھی ستون
ابولبابہ ٹوکریں، کبھی منبر کے سامنے گریہ وزاری
کریں، کبھی روضہ جنت میں بیٹھ کر حجرہ نبوی کی
زیارت کریں، صحن حرم کے سنگریزوں پر بیٹھ کر نعمت
وسلام کے تھے پیش کریں، غرض کہ کبھی اس در پر کبھی
اس در پر کبھی صحن میں کبھی واللہ ان میں عشق و محبت کی
تصویریں کرشب و روز عبادت میں مشغول رہیں، وہ

وقت کتنا بے کیف ہوتا ہوگا، جب کوئی عین تہجد کے
وقت جب ہر ایک نماز میں مشغول ہوتا ہے، مواجہہ
شریف کیساتے جائے تہائی کا وقت محبوب کا سامنا
کوئی سننے والا نہیں، انتشار کو سوں دور ع
ہم ہی ہم ہوں تری محفل میں کوئی اور نہ ہو
ہے کوئی اس سے بڑھ کر لذت کا وقت دل کی
بھڑاس نکالنے کا وقت اور پھر جب اس دیار پاک
میں زندگی کے دن بھی پورے ہوں اور اس خاک
پاک کا پیوند نصیب ہو اور ہمیشہ ہمیش کے لیے رحمت
کے سایہ میں آرام ملے، جو اکیسا محبوب رب
العالمین کا، ابوبکر و عمر کا، بڑے بڑے صحابہ کا، بڑے
سے بڑے اولیاء و اصفیاء کا، ازواج مطہرات
کا، بنات طیبات کا اور نہ معلوم کن کن بزرگوں کا یہ
حسرت کتنی مبارک ہے، یہ تمنا کتنی مکمل ہے، یہ

ایام حج کو غنیمت جانو

مولانا ابوالکلام آزاد



اس وقت عظیم و جلیل اور ایام الہیہ مخصوصہ کے حصوں کو غنیمت سمجھو اور تم خواہ کہیں ہو اور کسی حال میں ہو لیکن اپنی تمام قوتوں اور جذبوں سے کوشش کرو کہ تمہاری
دعا میں بھی ان دعاؤں کے ساتھ شامل ہو جائیں اور تمہاری پتیاں اور بیقراریاں بھی ٹھیک اسی وقت خدا کے حضور رحمت طلب ہوں کہ یہ وقت پھر میسر نہ آئے گا۔
دنیا انقلاب و تہجد کے ایک عجیب عہد سے گزر رہی ہے اور نئے موسم کی علامتوں نے ہر طرف طوفان اور بجلیوں کی ایک قیامت گیری برپا کر دی ہے۔ ممکن ہے کہ روز
بجتر ختم ہونے والا اور عہد وصال کی ایک نئی رات شروع ہونے والی ہو، پس ضروری ہے کہ دن بھر جن لوگوں نے غفلت کی ہے وہ اب عین شام کے وقت غفلت نہ
کریں کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ شام آگئی ہے اور چرخوں کا انتظام کرنا چاہئے۔

ہاں! مومن کو چاہئے کہ وہ بیکسر دعاؤں میں ڈوب جائے، اور ان مقدس ایام کے اندر صدق دل سے توبہ کر لے اور اپنے خدا سے اپنا معاملہ درست کرے، یہ بڑا
بہی سخت وقت ہے کہ جس کی نوشتہ الہی میں خبر دی گئی تھی، وہ وقت موعود اپنی تمام ہولناکیوں کے ساتھ آگیا ہے اور زمین اپنے گناہوں کی پاداش میں الٹ دی گئی ہے۔
پس توبہ کرو اور اس کے سامنے اپنی سرکشیوں کا سر بجز مومن کی طرح ڈال دو، اور تڑپ تڑپ کے وہ سب کچھ مانگو جو تمہارا دل چاہے۔ مگر تمہارے اعمال اس کے سزاوار
نہیں ہیں تم اس کے حضور حج کے دن اور عید کی صبح کو جبکہ خلیل اللہ نے اپنے بیٹے کی گردن پر چھری رکھی تھی۔ مسکینوں اور لاچاروں کی طرح گر جاؤ، اپنی سرکشیوں اور
نفس پرستوں کے گوسال کو ذبح کر دو۔ اور گڑگڑا کر دعا مانگو کہ خداوند از زمین کی سب سے بڑی مصیبت، انسانیت کے سب سے بڑے عذاب، اور انقلاب اقوام و ملل
کے سب سے زیادہ مہیب موسم کے وقت ابراہیم واسماعیل کی ذریت کی بھلائوں کو قبول کر لے اور ان کے گناہوں کو معاف کر دیجیو۔

☆☆☆☆☆

موجودہ تہذیب اور انسان

تحریر: مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

ترجمانی: محمد وحید حسنی ندوی

مغربی تہذیب ایک ترقی پذیر تہذیب ہے، جس میں سکون اور ٹھہراؤ نہیں، اس کی ترقی کی راہ میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی ہے، اخلاقی اور انسانی قدریں اس کی نگاہ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں، اگر وہ ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنیں تو انہیں قربان کیا جاسکتا ہے، بلکہ اس تہذیب کے علمبرداروں کی نگاہ میں انسانی قدریں ایک فرسودہ تصور ہے، جو ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، اس لیے موجودہ تمدن میں سب سے بڑی جو قربانی پیش کی جاتی ہے وہ اخلاق اور اقدار زندگی کی قربانی ہے۔ موجودہ سیاست کے مؤسس MACHIAVELLI کے نزدیک اپنے مقصد کے حصول کے لئے ہزاروں انسانوں کا خون کیا جاسکتا ہے، اور مقاصد کے حصول کے لئے کسی طرح کے وسائل اختیار کئے جاسکتے ہیں۔

اگرچہ موجودہ عہد میں سب سے زیادہ ذکر انسان اور اس کے حقوق کا کیا جاتا ہے، لیکن حقیقت کیا ہے؟ وہ موجودہ تہذیب کے علمبرداروں کے انسانوں کے ساتھ معاملہ سے ظاہر ہے، ان کا اعتماد ہر انسان سے اٹھتا جا رہا ہے، اس کے بجائے مشینوں پر اعتماد بڑھ رہا ہے، عام کاروبار میں مشینوں کے استعمال نے لاکھوں انسانوں کو بے مشغلہ اور بے کار کر دیا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ انسانوں کی جگہ مشینیں لے رہی ہیں، کمپیوٹر کا استعمال جس تیزی سے بڑھا ہے،

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہر کام کمپیوٹر سے لیا جا رہا ہے، سوچنے، حساب لگانے، پڑھنے پڑھانے اور دوسرے سارے کام کمپیوٹر سے لئے جا رہے ہیں، ہر شخص اس کا محتاج ہے، ذہنی صلاحیتیں استعمال نہ ہونے سے کم ہو رہی ہیں، کتنے کتنے ہوائی اڈے اور دوسرے سرگرم اور متحرک کارخانے اور ادارے ہیں جہاں کمپیوٹر نے انسان کی جگہ لے لی ہے، خطرناک فوجی تہذیبات اور ذرائع ابلاغ بھی کمپیوٹر کے ماتحت ہیں۔

مغربی تہذیب انسان کو کس نظر سے دیکھتی ہے، اس کا اندازہ اس کی سیاسی تاریخ اور علمی تصورات سے کیا جاسکتا ہے، سیاسی تاریخ اس کی رومی عہد سے سامراجی اور استبدادی ہے، علمی لحاظ سے اس کے دانشور، انسان کے حیوان الاصل ہونے کے قائل ہیں، موجودہ عہد میں بھی مختلف ملکوں میں سرمایہ دار اور اشتراکی نظاموں کی جاہلانہ پالیسیوں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے نزدیک انسان کا کوئی احترام نہیں ہے، اس سے زیادہ حیوان قائل احترام ہے، شاید اس لئے کہ انسان کے اندر احساس و شعور اور اپنے دفاع کی صلاحیت و قوت موجود ہے، اس لئے اسے کسی قسم کی حفاظت، پناہ اور احترام کی ضرورت نہیں ہے، اس نے انسان کو صنعتی اور تہذیبی ترقیوں کا ایندھن بنا لیا ہے، اس پر مہلک تجربے کیے جاتے ہیں، اس کے ذہن اور دماغ کو متاثر کرنے کے لئے اذیت کے نئے نئے وسائل اور مشینیں ایجاد

کی جاتی ہیں، اور مختلف ملکوں میں ان کو رائج کیا جاتا ہے، اس کو اپنے عقیدہ اور مرضی کے مطابق صاف اور پاکیزہ زندگی گزارنے کے حق سے محروم کیا جاتا ہے، اور اس کی مرضی کے خلاف نظریات اور نظام زندگی کا پابند بنایا جاتا ہے، موشیوں اور بکرپوں کے گلے کی طرح اس کو ہانکا جاتا ہے۔

مغربی ممالک اپنے علاوہ ہر انسانی معاشرہ اور ہر نظریہ اور تصور حیات کو ناقابل تسلیم اور ناقابل احترام سمجھتی ہے بلکہ ناقابل بقا، وہ انسان کو کس نظر سے دیکھتی ہے، اس کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے نظام کی بقا کے لئے دوسرے انسانوں کے خلاف مہلک اور تباہ کن ہتھیار تیار کرنے میں مصروف ہے، اور ان میں ذہن کی تبدیلی و مخالف کی ہلاکت یا اذیت پہنچانے کے لئے نئے نئے وسائل ایجاد کئے جا رہے ہیں، ان میں بعض ایسے ہتھیار ہیں جن کا مقصد صرف انسان کی تباہی ہے، اسی طرح پر کہ صنعتی اداروں اور مراکز کو اس سے کسی قسم کا نقصان نہ ہونے پائے، اس کی واضح دلیل ٹائیٹروزن بم کے موجد کا وہ بیان ہے جو انھوں نے ایک ٹیلیویشن انٹرویو میں دیا تھا، انھوں نے کہا کہ ان کا بم صرف انسانوں کو قتل کرے گا صنعتی اداروں کو اس سے کوئی نقصان نہیں ہوگا، انھوں نے یہ بھی کہا کہ انسان چونکہ جنگ کرتا ہے، اس لئے وہی قتل کا مستحق ہے، ان اداروں کی کوئی خطا نہیں ہے جس کی پاداش میں ان کو تباہ و برباد کیا جائے۔

اخباری بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف امریکا کے پاس بیالیس ہزار ٹن کیمیائی ہتھیار ہیں، ان بیانات کا اندازہ ہے کہ انسانوں کے لئے مہلک اور تباہ کن جنگی ہتھیاروں کی ذخیرہ اندوزی کے معاملہ میں روس امریکہ سے بڑھا ہوا ہے، روس کے

مہلک کیمیائی ہتھیار ۳۵۰ ہزار ٹن کے قریب ہیں، مزید برآں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ دونوں کیمپوں کی فوجیں تیزی سے عام ہتھیار چھوڑ کر کیمیائی ہتھیاروں کا استعمال شروع کرنے لگی ہیں۔

اخباری بیانات سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ کیمیائی ہتھیاروں کا نشانہ صرف انسان ہے، ان کیمیائی ہتھیاروں کے استعمال کے نتیجے میں انسان دست، تے، دماغی خرابی اور اندرونی اضطراب و بے چینی کا شکار ہو جاتا ہے، پھر وہ نیند سے محروم ہو جاتا ہے، اور اعصاب بے کار ہو جاتے ہیں، آنکھ کی روشنی جاتی رہتی ہے، اور سینہ و سر میں سخت تکلیف اور درد ہوتا ہے، آخر کار یا تو انسان مر جاتا ہے یا مردوں کی سی زندگی گزارتا ہے۔

۲۰۰۳ء میں عراق کے شہر فلوجہ پر امریکہ نے جو ایٹمی بمباری کی تھی اس کے نتیجے میں خطرناک اور مہلک بیماریاں پیدا ہو گئی ہیں، جن میں سرفہرست خطرناک کینسر اور بلڈ کینسر کا مرض ہے، امریکی صحافی رابرٹ کوہلر کی رپورٹ کے مطابق فلوجہ پر امریکی بمباری کے بعد جو بچے جنم لے رہے ہیں، وہ عجیب و غریب قسم کے ہیں، کسی کے سر نہیں ہوتا، تو کسی کے دوسرے ہوتے ہیں، کسی کی ایک آنکھ پیشانی میں ہے تو دوسری غائب، یا تو مولود بچوں کے اعضاء جسمانی کٹے ہوئے یا بعض اعضاء بالکل جھلے ہوتے ہیں، یہ بچے جلد ہی موت کی نیند سو جاتے ہیں یا جوں جوں بڑے ہوتے جاتے ہیں بھیا تک اور ڈروانی شکل اختیار کر لیتے ہیں، اور بلڈ کینسر کا شکار ہو جاتے ہیں۔ رابرٹ کوہلر نے لکھا ہے کہ فلوجہ میں ایٹمی بمباری کے بعد شیر خوار بچوں کی وفات کا تناسب ۱۹۳۵ء میں ہیروشیما اور ناگاساکی پر پھینکے گئے ایٹم

بم کے نتیجے میں ہونی والی اموات سے کئی گنا زیادہ ہے، اور یہاں پر تیزی سے کینسر خصوصاً بلڈ کینسر نے وبا کی شکل اختیار کر لی ہے۔ اور جس طرح جاپان میں ایٹم بم گرانے کے بعد لڑکوں اور لڑکیوں کی ولادت کے تناسب میں فرق آ گیا تھا اسی طرح کی صورت حال فلوجہ شہر میں پیش آرہی ہے، لہذا فلوجہ پر ایٹمی بمباری سے پہلے لڑکوں کی شرح پیدائش ۱۰۵۰ تھی، اور لڑکیوں کا تناسب ۱۰۰۰ تھا، لیکن بمباری کے بعد لڑکوں کی شرح پیدائش ۸۶۰ ہو گئی ہے جبکہ لڑکیوں کی شرح پیدائش ۱۰۰۰ ہے۔

گذشتہ جنگ عظیم میں جاپان کے شہروں پر جو ایٹم بم پھینکا گیا تھا، اس کی وجہ سے اس علاقہ کی بربادی اور وہاں سے زندگی کا نام و نشان مٹنے کے علاوہ اب تک جانوں کو نقصان پہنچ رہا ہے، چنانچہ صرف فضا میں باقی ماندہ ایٹمی اثرات سے مرنے والوں کی تعداد سینوں ہزار سے زیادہ ہو چکی ہے۔

کویت سے شائع ہونے والے مجلہ "المجتمع" نے امریکی محقق ڈاکٹر جی آر البیریلی کی ایک رپورٹ شائع کی ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ آج کل جو مختلف نئی نئی جان لیوا بیماریاں سامنے آرہی ہیں یہ سب ان ایٹمی اور بائیولوجیکل تجربات کا نتیجہ ہیں جو وقتاً فوقتاً عالمی طاقتیں کرتی رہتی ہیں، امریکہ نے ایک نیا زہریلا "کیمیکل ایل" (Chemtrail) ایجاد کیا ہے جس کے استعمال سے خطرناک زلزلے اور حوادث برپا کئے جاتے ہیں اور انسانی زندگی تباہ کردی جاتی ہے، رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ایٹمز، کینسر، بلڈ کینسر، دل کی بیماری، گردہ کی بیماری، تنفس کی بیماری، سوائٹ فلو، برڈ فلو، سارس، ڈیگوبخار، چکن گنیا جیسے خطرناک امراض زہریلے کیمیکل اور ایٹمی ذرات کے ذریعہ دنیا میں پھیلانے جا رہے ہیں، جس کا مقصد متعینہ علاقوں میں انسانی آبادی کو برباد کرنا ہے، نئے سامراج کا یہ انتہائی خفیہ اور مہلک ہتھیار ہے، اس کیمیکل کے ذریعہ کہیں سخت ترین ٹھنڈک اور کہیں سخت ترین گرمی پیدا کی جاتی ہے جیسا کہ کوسوو، تورابورا اور شمالی کوریا میں کیا گیا، کوسوو میں سردی کے موسم میں سخت ترین ٹھنڈک پیدا کردی گئی جس کے نتیجے میں کوسوو کی بڑی آبادی ہلاک ہو گئی، افغانستان میں تورابورا پہاڑی کو خشک کر دیا گیا جس کی وجہ پہاڑی پر رہنے والی آبادی نقل مکانی پر مجبور ہو گئی، شمالی کوریا میں اس کیمیکل کو استعمال کیا گیا جس کے نتیجے میں صرف دو سال کی مدت میں ۶ ملین بچے اور ۸ ملین نوجوان ہلاک ہو گئے، رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ امریکہ میں ہیٹی کا زلزلہ اسی کیمیکل کے تجربہ کا نتیجہ ہے۔ ماحولیاتی تبدیلی اور گلوبل وارم بھی بائیولوجیکل اور ایٹمی تجربات کا نتیجہ ہے۔ کیمیکل کے استعمال سے کہیں زوردار بارش کرائی جاتی ہے کہ سیلاب آ جاتا ہے اور کہیں فضا میں پانی روک کر خشکی پیدا کی جاتی ہے جیسا کہ روس نے ۲۰۰۵ء میں دوسری جنگ عظیم کے ساتھیوں جشن کے موقع پر کیا تھا، جنگ خلیج میں بھی اس کیمیکل کا استعمال کیا گیا تھا جس کی وجہ سے ۴۷ فیصد امریکی فوجی مہلک بیماریوں کا شکار ہو گئے تھے۔ ابھی حالیہ چند برسوں میں مصر اور شمالی افریقہ میں جو سخت ترین گرمی پڑی اس کے پیچھے بھی اس کیمیکل کا تجربہ شامل تھا، امریکہ کے پاس اس وقت چار خطرناک کیمیائی پروگرام ہیں، جن کا مقصد دنیا کے ماحولیاتی نظام اور جغرافیائی نظام میں خرابی پیدا کر کے سامراجی مقاصد کو بروئے کار لانا ہے۔

امریکی قومی سلامتی کونسل کے سابق سربراہ ہنری کیسنجر نے امریکی انتظامیہ کو مشورہ دیا تھا کہ امریکہ کی بھا کے لئے تیسری دنیا کے ممالک میں انسانی آبادی کو کم کرنا بہت ضروری ہے، کیونکہ ہماری اقتصادیات بہت ہیں، اور ہمیں خارجی دنیا کے معادن اور ذخائر کی شدید ضرورت ہے، خاص طور پر وہ ممالک جو اپنے معدنی ذخائر کو استعمال کرنے پر قادر نہیں ہیں، اس طریقہ سے ہم ان ممالک میں اقتصادی، سیاسی اور سماجی استقرار کو مضبوط کریں گے اور آبادی کی کمی سے اس استقرار کے امکانات اور زیادہ قوی ہو جائیں گے، اس لئے تیسری دنیا کی آبادی کا مسئلہ امریکہ کے اقتصادی مفادات اور قدرتی ذخائر کے لئے اہم مسئلہ ہے۔ لہذا امریکہ نے ایسا کیا ہے اور تیسری دنیا کے ممالک کو کیمیائی اور بائیولوجیکل ہتھیار سپلائی کئے۔ جیسا کہ عراق ایران جنگ کے موقع پر امریکہ نے عراق کو یہ مہلک ہتھیار بم بم پھینچائے اور جنگ سے پہلے امریکہ، روس اور چین نے عراق کو کیمیائی ہتھیار سپلائی کئے۔

انسان دشمن اور جنگ دوست مغرب دوبارہ جنگ کی تیاری میں مصروف ہے، کیمیائی اور ایٹمی ہتھیاروں سے ایس فوجی نقل و حرکت مختلف علاقوں میں جاری ہے، سمندر اور دریا کی اس نقل و حرکت کا میدان بننے کی وجہ سے زہریلی گیسوں کے اثرات سے آلودگی بڑھتی جا رہی ہے، ایٹمی تجربوں نے فضا کو ایسا ملوث کر دیا ہے کہ انسان کے استعمال کی ہر چیز متاثر ہونے لگی ہے جس کی وجہ سے طرح طرح کے لاعلاج امراض پیدا ہو رہے ہیں، ان میں ایک نیا مرض مارگیولنس (Morgellons) ہے جس کا اثر جسم کے جوڑوں میں ظاہر ہوتا ہے، قوت حافظہ ختم ہونے لگتی ہے اور اس مرض میں جملہ مریض کو

ایک عجیب بے چینی ہوتی ہے کہ کھال کے نیچے کوئی چیز کاٹ رہی ہے۔

اقدار اعلیٰ کی ہوس اور رس کشی نے ہر شہر اور علاقہ میں انسانوں کو خطرات کا نشانہ بنا دیا ہے، بڑی بڑی طاقتوں نے اپنے زیر اثر علاقوں کی حکومتوں کو اپنا غلام بنا لیا ہے، اور دوسرے علاقوں پر علاقہ اور خفیہ طور پر قبضہ کر کے اپنے اثر و نفوذ کی توسیع میں مشغول ہیں، کیونکہ یورپ کا سفید فام انسان جس نے سائنس اور ٹکنالوجی کی راہ میں بڑے بڑے معرکے سر کئے ہیں، وہ ساری دنیا پر اپنا حق سمجھتا ہے، اور دوسرے لوگوں کو ایک خاص طرز زندگی کا پابند بنانے کا ذمہ دار ہے، اس کے نزدیک غیر یورپین لوگ اس کے تابع اور غلام ہیں اور وہ ان کی حیات و موت اور آبرو کا مالک ہے۔

تعمیر حیات - شرح خریداری کی تفصیل

نی شماره - 121 روپے سالانہ زر تعاون - Rs. 250/

غیر ملکی فضائی ڈاک سے US \$ 50

شرائط اشتہار

نرخ اشتہار چار کلر صفحہ (پشت پر) - Rs. 50/ فی سینی میٹر فی کالم۔

نرخ اشتہار ایک کلر صفحہ (اندرونی) - Rs. 40/ فی سینی میٹر فی کالم۔

اشتہار کی نصف رقم پیشگی جمع کرنا ضروری ہے، کمیشن ایک تابارہ اشاعت %40

شرائط ایجنسی

پانچ پرچوں سے کم کی ایجنسی جاری نہ ہوگی۔

نی کاپی - Rs. 20/ بطور ضمانت پیشگی ادا کرنا ہوگا۔

کمیشن

25% کاپی ۲۰۲۵

30% کاپی ۵۰۲۱

35% کاپی ۱۰۰۲۵

40% سے زائد کاپی ۱۰۰

اسلام خوشامد نہیں کرتا، حکم دیتا ہے

مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی

آخری قسط

پہلی چیز ہم اللہ کے ہیں اس لیے سب اللہ کے لیے ہے میرے بھائیو اور دوستو! فرمایا گیا کہ "اے اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو، جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے" یعنی اپنا تعلق اللہ سے صحیح کر لیں، عقیدہ درست ہونا چاہئے، سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے، کسی کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے، تو اللہ ہی سے مانگنا ہے، اسی کے سامنے پیشانی ٹیکنی ہے، اسی کے آگے ہاتھ پھیلائے ہیں، اس کے علاوہ کوئی نہیں ہے جس کو دل دیا جائے، جس سے محبت کی جائے، اس میں بہت دھوکہ ہے لوگوں کو، لوگ کہتے ہیں بس اللہ ایک ہے، ارے اللہ ایک ہے تو اللہ کو چاہتا بھی اتنا چاہئے جتنا اس کا حق ہے یعنی دل صرف اللہ کا ہے، دماغ اللہ کا ہے، جسم اللہ کا ہے تو دماغ بھی کسی طرف نہ جائے، دل بھی کسی کو نہ دیا جائے، ہاتھ بھی کسی کے سامنے نہ پھیلیں، پیشانی بھی کسی کے سامنے نہ جھکے، ناک بھی کسی کے سامنے نہ رگڑی جائے، سب اللہ کا ہے، جب اللہ کا ہے تو اللہ کے لیے ہے، یہ عقیدہ کا مطلب ہے، عقیدہ کا یہ مطلب نہیں کہ بھئی! ہم نے یہ مان لیا کہ اللہ ایک ہے اور دل لگا ہوا ہے ناپنے گانے والوں کے پاس، کھیلنے کودنے والوں کے ساتھ، اور جس سے دل لگے گا حشر اسی کے ساتھ ہوگا، یہ حدیث میں ہے کہ "آدی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت ہوگی" اگر خدا خواستہ ناپنے گانے والوں سے محبت ہے تو سن لو ان کا ٹھکانہ جہنم ہے تو آدی جہنم میں جائے گا اور انہیں کے ساتھ ان کا حشر ہوگا، کتنی خطرناک بات ہے، آج ہمارے نوجوانوں کا حال ہے کہ بس انہیں کی تصویریں دیکھتے ہیں، کسی کا بھی موبائل لے لیجئے، کیا کیا تصویریں ملیں گی، سب ایسی ہی الٹی سیدی تصویریں ملیں گی، سارے نوجوان دیکھتے رہتے ہیں، انہیں سے ان کے دل و دماغ آلودہ رہتے ہیں، خراب رہتے ہیں اور انہیں کے چکر میں ہر وقت پڑے رہتے ہیں اور جب زیادہ دیکھتے ہیں تب اندر بھی وہی تصویریں بار بار گھومتی رہتی ہیں یہاں تک کہ سجدہ کرتے ہیں تو وہی تصویریں آ رہی ہیں، رکوع کریں گے، نماز پڑھیں گے تو وہی تصویریں آئیں گی تو پھر کیا فائدہ ہے نماز میں، ایسی نماز سے کیا ہونے والا ہے، ایسے روزوں سے کیا ہونے والا ہے جب کہ روزہ کی قدر نہ کریں، اس کے آداب کی بجا آوری نہ کریں اور اس کا لحاظ نہ رکھیں جس کے لحاظ کا حکم دیا گیا ہے۔

دوسری چیز بری باتوں سے بچنا ہے
پہلا تو یہ ہے کہ عقیدہ درست ہونا چاہئے دوسرا یہ کہ جو بری چیزیں، بری باتیں ہیں اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے اور اچھی بات کی عادت ڈالنی چاہئے، کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو گنہ گار نہ ہو اور بہترین گنہ گار وہ ہے جو گناہ سے توبہ کرتا رہے یعنی کوئی ایسی دیوار نہیں جس پر کوئی داغ دھبہ نہ پڑے

لیکن بہترین دیوار وہ ہے جس پر پھائی ہوتی رہے، بس اتنی سی بات ہے اگر کوئی دیوار کی پھائی نہ کرے تو کچھ دن میں دھبے پڑ جائیں گے اور چھوڑ دیا جائے تو پھر اندر وہی حال ہو جائے گا اور اس کے بعد عمارت بیٹھ جائے گی ایسے ہی اگر ہم نے توبہ نہ کی اور اگر کر لی تو صاف ہو جائے گا اور پتہ بھی نہیں چلے گا کچھ ہوا تھا اور اگر چھوڑ دیا تو کالے دھبے بڑھتے چلے جائیں گے، یہاں تک کہ اندر کی ایشیں نکلنے لگیں گی پھر دیوار گر جائے گی، اور پھر آدی جہنم میں چلا جائے گا تو اس لیے آدی کو چاہئے معلوم کر لے کہ کیا کیا خرابیاں ہیں، کیا کیا غلطیاں ہیں، اور کیسے کیسے گناہ ہیں، اور کیسی کیسی بیکار باتیں ہیں، کیسے کیسے بیکار کام ہیں، جس میں ہم مبتلا ہیں، غور کریں، بار بار غور کریں، اور ایک ایک چھوڑنا شروع کریں اور اپنی پھائی شروع کریں یہاں تک کہ بالکل صاف ہو جائیں، اور اپنا پلاسٹر شروع کریں یہاں تک کہ پوری دیوار چکنی ہو جائے، شاعر اور ہو جائے جب ہم ایسا کرتے چلے جائیں گے تو ہم بنتے چلے جائیں گے، سنو تے چلے جائیں گے۔

تیسری چیز

اس کے بعد چھوٹی چھوٹی برائیوں سے بچیں، چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بھی بچیں، معمولی گناہوں سے بھی بچیں جن کو آپ اور ہم نظر انداز کر دیتے ہیں اس لیے ایک بار، باور کھئے بڑا آدی چھوٹی باتوں کو دیکھتا ہے اور چھوٹا آدی بڑی باتوں کو نہیں دیکھ پاتا، تو جو جتنا بڑا ہوگا اتنی زیادہ چھوٹی باتوں کو دیکھے گا کیونکہ جو بڑا ہوگا اس کی لائٹ اتنی زیادہ ہوگی، بھائی! جس بلب میں روشنی زیادہ ہوگی اس میں چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی آسانی سے

نظر آئیں گی، اور جس کا بلب بہت کم، زیر و پاور کا ہے تو بڑے بڑے گڈھے بھی نظر نہیں آئیں گے، تو جو جتنا بڑا عالم، جتنا بڑا مومن، جتنا بڑا اچھے کام کرنے والا ہوگا، اتنا ہی اس کو چھوٹی چھوٹی باتیں نظر آئیں گی جو چھوٹی اور معمولی باتوں پر نظر رکھتا ہے، تو کچھ لیجئے وہ اتنا ہی بڑا آدی ہے اور جو بڑی چیزوں کا بھی خیال نہ رکھے اور کہے سب چلتا ہے، جھوٹ بول دے اور کہے ارے چلتا ہے، سو لے لیا چلتا ہے، رشوت لے لی چلتا ہے، ارے میاں اچلتے کر دیئے جاؤ گے تو پتہ چلے گا، ابھی تو ایسے آسانی سے کہہ رہے ہو چلتا ہے، اور اللہ میاں کے یہاں پہنچے تو کارڈ سامنے کر دیں گے، زندگی میں جتنی مرتبہ کہا تھا، چلتا ہے تو اللہ میاں کہیں گے اس کو چلتا کرو، وہاں چلتے کر دیئے جاؤ گے۔

چلتا دلتا کچھ نہیں، بہت سے لوگ کہتے ہیں ہم نے سو دلایا ہم کو تو پھلتا ہے، ایک صاحب ہم سے کہنے لگے ہم کو تو پھلتا ہے، تو ہم نے کہا پھلتا نہیں پھولتا ہے، اور جب پھلے گا تو معلوم ہوگا۔

بیماری رحمت ہے

بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ بیمار نہیں ہیں تو اللہ میاں بڑے خوش ہیں، ہم کو کیا پتہ کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہیں، جو اللہ کے نیک بندے ہوتے ہیں، اور بہت دنوں تک انہیں کوئی بیماری نہ ہو تو وہ ڈرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ناراض تو نہیں، اور جب بیمار ہو جاتے ہیں تو بڑے خوش ہوتے ہیں کہ اللہ میاں خوش ہیں، اس لیے کہ بیماری سے گناہ دھلتے ہیں جیسے کسی بچے کو نہ دھلایا جائے، بچے جو ہوتے ہیں وہ گندگی میں بستر میں پڑے رہتے ہیں، اور جب ان کی مائیں ان کو دھلاتی ہیں تو وہ کتنا چلاتے ہیں، روتے ہیں، اور اگر

بچے کو چھوڑ دیتے ہیں ایسی ہی پینٹی (Panty) بندھی رہے اور نہ دھلائے تو کیا بد بو پیدا ہوگی، حالت خراب ہو جائے گی سب کی، اور بچہ کہے میں تو کبھی روتا ہی نہیں، مجھے تو کوئی ٹنگ ہی نہیں کرتا، میری ماں مجھے دھلاتی ہی نہیں، تو بچہ کی حالت کیا ہو جائے گی، لیکن جب ماں دھلاتی ہے تو کبھی پیرا پر کرتی ہے کبھی سر نیچے کرتی ہے، بچہ ہنگامہ مچا دیتا ہے ایسے ہی انسان کو بھی بیماری ہوتی ہے تب نشتر لگایا جاتا ہے، انجکشن لگایا جاتا ہے، ہسپتال میں رکھا جاتا ہے، روتا ہے، چلاتا ہے لیکن اس کو پریشان نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس کی اچھائی کے لیے کام ہو رہا ہے، اس کی صفائی ہو رہی ہے، اس کو اچھا بنایا جا رہا ہے، اگر یہ نہ ہو تو پریشانی کی بات ہے لیکن ہم لوگوں کی ہر چیز الٹی ہو گئی ہے، یہاں بھی سوچ بدل گئی۔

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑے فضل کا معاملہ ہے کہ ہماری دھلائی ہو رہی ہے، اور جب دھلتے رہیں گے تو صحت بھی اچھی ہوگی، ترقی بھی کریں گے، اور بلند ہوتے چلے جائیں گے تو تیسرا درجہ یہ ہے کہ آدی چھوٹی چھوٹی باتوں سے بھی بچے اور اچھے کام کرنے کی کوشش کرے اور آخری درجہ یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی کا خیال بھی نہ آئے یعنی غیر اللہ سے بچے، غیر کا خیال بھی نہ آئے، بس ہر وقت اللہ پر نظر ہو اور اللہ جو کہے اس پر اور سنت پر عمل کرے، ایک بڑے بزرگ ہیں حضرت امام ابو الحسن شاذلی، ان سے کسی نے پوچھا حضرت آپ کا کیا حال ہے؟ انہوں نے کہا کیا پوچھتے ہو؟ میں جو چاہتا ہوں وہ اللہ چاہتا ہے، اور حضور ﷺ میری نظر سے اوجھل نہیں ہوتے، تو میرا حال کیا پوچھ رہے ہو، بات انہوں نے بتادی یعنی مطلب یہ ہے کہ ہم وقت اللہ

سے ایسا تعلق ہو گیا ہے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ معاملہ کرتے ہیں ہم خوش ہیں جب ہم خوش ہیں تو وہ خوش ہے یعنی جب اللہ میاں راضی تو ہم راضی، ہم نے اللہ کی مرضی میں اپنی مرضی کو فنا کر دیا، اب ہماری کوئی مرضی ہی نہیں، جو اللہ چاہے ہماری اس میں خوشی ہے، اور حضور ﷺ کا معاملہ یہ ہے کہ ہر وقت سنت کو دیکھتا ہوں، بولنے میں، چلنے میں، اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے میں، خیالات اور جذبات میں، وغیرہ وغیرہ میں، سنت کیا ہے؟ جب ہر وقت سنت کو سوچیں گے تو حضور ﷺ ہماری نظر میں ہیں، یہ ہمارے اللہ کے نیک بندے جو ہوتے ہیں ان کا یہ حال تھا، اور ہمارا حال اس کے بالکل برعکس ہے، اللہ یاد ہی نہیں آتا، یہاں تک کہ یہاں دریا میں ایک صاحب ڈوبنے لگے، بہت پڑھے لکھے آدمی تھے، عالم تھے لیکن اللہ سے تعلق نہیں جوڑا تھا، ڈوبنے لگے تو کہنے لگے کہ کوئی بچانے والا ہے، پکڑو پکڑو، ہمارے حضرت مولا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ گئے اور ان کو نکال لائے، جیسے نکالا جاتا ہے ویسے نکالا، تو انہوں نے بعد میں آکر یہ کہا کہ اگر ہم نے اللہ اللہ کیا ہوتا تو منہ سے بھی اللہ نکلتا تو ایسے سخت مرحلوں پر بھی اللہ یاد نہیں آتا لیکن جو لوگ ہمہ وقت اللہ اللہ کرتے ہیں، دل سے، دماغ سے، زبان سے تو ان لوگوں کو ایسے وقت میں اللہ یاد آتا ہے پھر سنت کے مطابق عمل کرنا اور بار بار دیکھتے رہنا کہ سنت کیا ہے؟ جو اس پر عمل کرے گا وہی سب سے بڑا عالم اور اللہ کا سب سے بڑا مقرب ہے، اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کو علم بھی عطا فرماتا ہے اس کے لیے علم کھول دیتا ہے علم کے دروازے اس کے لیے کھول دیئے جاتے ہیں، اور اس کو وہ سمجھ میں آتا ہے

جو دوسروں کو نہیں آتا۔

تو میرے بھائی اور دوستو! ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم آپ اس رمضان المبارک کی قدر کرنے والے بن جائیں، جو گزر گیا وہ گزر گیا، مومن گزرنے پر تادم تو ہوتا ہے اور اللہ سے معافی مانگتا ہے لیکن مومن کو آئندہ کی فکر ہوتی ہے، اب جو بچے ہوئے دو چار دن رہ گئے ہیں، اس سے فائدہ اٹھالیں، اس کو نہ چھوڑیں، اور سوکھنا نہ کریں اور بات کر کے قتل نہ کریں، جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے، جو بات کرتا ہے وہ قتل کرتا ہے، لیکن سوکر کھوئیں، نہ آپس میں الٹی سیدھی بات کر کے قتل کریں، اور ادھر ادھر کے بیکار کام میں لگ کر اپنے وقت کو ضائع نہ کریں، یہ چند دن محنت کر لیں، اگر ایک گھڑی بھی اللہ نے قبول فرمائی تو کام بن جائے گا، جو ہم لوگ کر رہے ہیں، یہ محض فارسی ہے، اللہ یوں نے کہا پورا کرو تو ہم پورا کر رہے ہیں لیکن بدل تو وہ کریں گے، جس کو چاہے قبول کر لیں جس چاہیں نہ کریں۔

کریں یہاں تک کہ جب دنیا سے جانے کا وقت آئے تب بالکل تیار ہو کر جائیں، ابھی شروع میں جو آیت میں نے پڑھی تھی، اس کا مطلب بتا دیتا ہوں اور اسی پر اپنی بات کو ختم کرتا ہوں کہ "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے مگر دیکھو تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو چکے ہو" اور مسلم کہتے ہی اسے ہیں جو اپنے آپ کو پوری طرح سے اللہ کے حوالہ کر دے یعنی وفادار ہو جائے، اور مومن اس کو کہتے ہیں جو اللہ پر فدا ہو جائے، جو وفادار ہو گیا وہ مسلمان ہو گیا، جو فدا ہو گیا وہ مومن ہو گیا تو جو اپنے اندر یہ باتیں پیدا کرے وہ کامیاب ہے، یہ آیت نکاح میں پڑھی جاتی ہے، اور نکاح میں کیوں پڑھی جاتی ہے؟

خوب صورت انسان کو پسند اور خوب سیرت اللہ کو پسند

اس میں بھی ایک بڑی اہم بات ہے، موت کا ذکر نکاح کے اس پر مسرت موقع پر کیا گیا ہے، اصلاً بات یہ ہے کہ وہاں لڑکی کو رخصت کیا جاتا ہے، اور خوب بنایا جاتا ہے، سنوارا جاتا ہے تاکہ شوہر کو پسند آجائے، اسی طرح سے اللہ کے ہاتھ میں ہاتھ لیا، اور قاتل کو اللہ میاں نے قبول نہیں کیا، اس لیے کہ ہاتھ کا دل صاف تھا، ہو سکتا ہے کہ ہاتھ نے کام کم کیا ہو، اور دوسرے کی نیت صاف نہیں تھی سے لڑکی سجا جاتی اپنی نیتوں کو درست کریں، اپنے دل و دماغ ہے، سنواری جاتی ہے، حتیٰ کہ درست کریں، یہ رمضان کا پیغام ہے، اس کو لے کر ہم جائیں، اور اپنے گناہوں کو چھوڑنے کی کوشش تاکہ شوہر اور اس کے

گھر والے اسے پسند کر لیں اسی طرح سے اپنی سیرت کو خوب بنائیں حتیٰ کہ خوب سیرت ہو جائیں تاکہ آخرت میں پسند کر لئے جائیں جیسے یہاں لڑکی کی رخصتی ہوتی ہے ویسے موت میں انسان کی رخصتی ہوتی ہے تو اس لیے یہاں کہا گیا کہ اپنے کو ٹھیک کرتے چلے جاؤ، یہاں تک کہ جب تمہاری رخصتی کا وقت آئے تو اتنے اچھے ہو چکے ہو کہ وہاں قبول کر لئے جاؤ تو ہم سب اسی میں لگ جائیں کہ اپنے آپ کو بہت سے بہتر بنالیں اور رمضان اس کا بہترین موقع ہے، توبہ کریں، اور نئی زندگی گزارنے کی کوشش کریں تو ان شاء اللہ ہم وہاں قابل قبول ہو جائیں گے اور جام کوثر رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک سے میسر ہوگا۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔
☆☆☆☆☆

ایم ایچ کمپیوٹر سنٹر

ہمارے یہاں اردو، ہندی، انگریزی کمپوزنگ و ڈیزائننگ بہت ہی مناسب در پر ہوتی ہے۔

مجاہد حسین ندوی

ایم ایچ کمپیوٹر

مدح گنج، نزد مقصود کا لونی، سیتا پور روڈ، کھدرا، لکھنؤ

موبائل نمبر: 9838827656

مشفق و مری بھائی کی یاد میں

ڈاکٹر احمد مطہر صدیقی ☆

ذیل کا مضمون دراصل وہ طویل خط ہے جو مرحوم پروفیسر وحی احمد صدیقی کے برادر محترم ڈاکٹر احمد مطہر صدیقی (نیو مارک) نے ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کو وفات کے چند روز بعد ارسال کیا تھا، اس خط میں ندوۃ العلماء سے ان کے خانوادے کا تعلق اور بعض مفید باتوں کا بھی اختصار کے ساتھ ذکر آ گیا ہے، اس لیے شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

محترم قبلہ وحی بھائی بڑی ہی کامیاب زندگی گزار کر اس عالم فانی سے رخصت ہو کر خالق کل سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، نفس مطمئنہ کے حامل پوری زندگی رضاء الہی کے اصولوں پر اور ہمیشہ وحدہ لا شریک سے راضی بہ رضا اور مجھے یقین ہے کہ رب کریم بھی انشاء اللہ ان سے راضی ہوں گے، اصحاب علمین کی فہرست میں ضرور ان کا نام ہوگا، انہوں نے مطلوب و محبوب دینی اصولوں پر زندگی گزار لی۔ جہاں جہاں بھی رہے پاکیزہ معاشرتی ماحول کو جنم دیا۔ ہمارے سب سے بڑے وحی بھائی مرحوم نے شفقت و محبت اور بڑے ہی خلوص کے ساتھ ہم بہن بھائیوں کو ہر طرح کی آسانیاں بہم پہنچائیں۔ علم کے ساتھ اخلاق، انکساری اور اسلامی تہذیب کے سچے اور خوبصورت روشن راستہ کی طرف

ہمیشہ نشان دہی اور رہنمائی فرماتے، شروع کی زندگی ایک مسلسل جدوجہد رہی لیکن صبر و استقامت اور عزم و استقلال اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نے ماشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور فضل و کرم کی بارش سے تر رکھا۔

۱۹۵۱ء میں لکھنؤ یونیورسٹی سے ریاضی میں M.Sc. کر کے شاہ جہاں پور گاندھی فیض عام ڈگری کالج میں لکچرار ہو گئے۔ اسی ادارہ میں عرصہ دراز تک پرنسپل کی حیثیت سے بھی خدمت کی۔ کالج کو علم و ہنر کے اعلیٰ درجات اور ترقیوں کی منزلوں کو پہنچایا، قریب چالیس سال تدریسی ذمہ داریوں میں مصروف رہے اور پھر قدرتی طور پر اپنی ذمہ داریوں سے ریٹائرڈ ہوئے، ایک خوش اخلاق انسان اور مومن کی حیثیت سے اپنے ماحول کی ذمہ داریوں کو بھی بہترین طریقہ سے پورا کرتے رہے، بچوں کی اعلیٰ تعلیم کے لیے فکر مند اور مصروف رہے، اللہ تعالیٰ نے خوب ہی نوازا، سب ہی بچے تعلیم یافتہ اور دین اور اخلاق کی اچھی نمائندگی کے ساتھ لکھنؤ، کویت، آسٹریلیا، سعودی عرب میں اچھی معاشی زندگی اور مذہبی و اسلامی تعلیمات کے ساتھ زندگی کے میدان عمل میں کامیابی کے ساتھ مصروف ہیں، بھائی صاحب اللہ تعالیٰ کی عنایت کی ہوئی نعمتوں میں سے خاندان اور ضرورت مندوں کو بڑی ہی خاموشی اور فراخ دلی سے بانٹتے بھی رہے، شاہ جہاں پور جس محلہ میں زندگی گزار رہے، مسلم آبادی،

غربت اور ضرورت مندوں کا محلہ تھا، ان سب کی کفالت میں جو کچھ بس میں تھا، کرتے، نوکری کی فکر، تیبوں، بیواؤں کا خیال ان کی بچیوں کی شادی، محلہ کے لڑکوں کی تعلیم اور ان کے آگے کی زندگی میں آسانیاں، عزت و آبرو کی فکر میں ہمیشہ کوشاں اور عملی طور پر شامل رہے، مہربان حضرات کے احسان کو بڑی محبت اور شکرانہ کے ساتھ قبول کرتے اور ویسا ہی بدل بھی دیتے۔ اخلاق میں اعلیٰ، گفتگو میں نرمی اور مسکراہٹ، الحمد للہ ایک مومن کی شان کے ساتھ رخصت ہوئے۔

محترم وحی بھائی کی اعلیٰ صلاحیتیں اور کردار صرف ریاضی ہی کی بھول بھلیوں میں نہیں الجھی رہیں بچپن ہی سے کتابوں اور مطالعہ سے واسطہ رہا، انگریزی، اردو، فارسی ادب و شاعری سے بڑا ہی گہرا تعلق رہا، ندوۃ العلماء کے بہت ہی کشادہ، خوبصورت اور دلچسپ، علمی، ادبی کتابوں سے بھرپور کتب خانہ ان کا حجرہ تھا، خاص طور سے گرمیوں کی دوپہر میں کتب خانہ ہو یا امیر الدولہ پبلک لائبریری، کتابیں کھنگالتے رہتے، مولانا شبلی کی شعرا لہجہ ہو، سیرت النبی، تاریخ اسلام یا مثنوی مولانا نور، دیوان حافظ، عمر خیام، شیخ سعدی، اردو کی تصانیف اور اس زمانہ کے نامور مصنفوں کی کتابیں انگریزی لٹریچر و شاعری سب ہی میں مصروف، گھر میں کوئی نہ کوئی کتاب ہاتھ میں یا اگر ٹیبل رہے ہوں تو بیٹل میں ہوتی، دلی دکنی، امیر خسرو، گیسو دراز، یعنی ادب، میر انیس، مرزا دبیر، حالی، غالب اور اقبال ان کے چہیتے تھے، پانچ سال کی عمر میں ابا صاحب نے ان سے اپنے وعدہ کو پورا کیا، شکوہ، جواب شکوہ، از بر یاد کیا، سنیا اور ایک روپیہ انعام کی شکل میں حاصل ہوا، اللہ تعالیٰ نے بلا کا ذہن عطا کیا تھا، زبردست

یادداشت بھی، ان کی تصنیفات بھی بہت اعلیٰ، خطوط میں غالب کا طرزِ تحریر میں تقریر، مجھ کو یہ فخر حاصل ہے کہ ان کے خطوط کے ذریعہ دور یہاں نیویارک میں رہ کر بہت کچھ سیکھا، اپنی تحریر میں جو کہ محبت سے بھرپور ہوتی، بچوں کی پرورش کے لیے اسلامی اخلاقی اصولوں کی طرف بار بار نشان دہی فرماتے۔

اپنے بچپن کا ایک تعلیمی واقعہ بڑے ہی فخر سے بتاتے۔ چھوٹا سا زبانی امتحان اور بہت ہی اعلیٰ، افضل ممتحن جن کی شخصیت کو اس وقت سمجھ ہی نہ سکے تھے، دس بارہ سال کی عمر ہی ہوگی، کتب خانہ میں ایک موٹی سی کتاب میز پر رکھ کر پڑھ رہے تھے، علامہ سید سلیمان ندوی کا ادھر سے گزر ہوا، چھوٹے سے بچے کو ایک ضخیم کتاب میں مصروف دیکھ کر لپکے، پاس آئے، کتاب بند کر دی، پوچھا کیا پڑھ رہے ہو؟ وہی بھائی نے کہا کتاب کا نام (شعرانجمن) ہے، مصنف کے بارے میں کہا (مولانا شبلی) اور کچھ شمار بھی سنا دینے کوئی ڈر خوف و ہراس نہیں، یہ بھی نہیں معلوم کر سکی شخصیت امتحان لے رہی ہے، مولانا نے مسرت سے انہیں گود میں اٹھالیا فرمایا کیوں نہ ہو ماہرِ شیخ صاحب کے بیٹے ہو، کسی موقع پر ابا صاحب سے ملاقات پر بڑی تعریف کر رہے تھے۔

ہمارے اور سب کے پیغمبر و آخر الزماں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زبردست شیدائی، دل و جان سے محبت کرنے والے، ان کی مبارک سیرت کے تذکرے پر جموم جاتے، آنکھیں روشن اور بھیگ بھی جاتیں۔ ۱۳ اکتوبر ۲۰۰۹ء منگل کا دن یہاں نیویارک میں ہسپتال جانے سے پہلے صبح قرآن شریف کی مبارک سورہ فتح کی تلاوت کر رہا تھا، اے نبی جو لوگ تم سے سبقت کر رہے تھے، وہ دراصل اللہ

سے بیعت کر رہے تھے، شیلیفون کی گھنٹی بجی، میاں سید آفاق (وصی بھائی کے بڑے ہی پرہیزگار انجینئر داماد) کا ٹیلیفون تھا اور وصی بھائی کے انتقال کی خبر تھی، اللہ تعالیٰ کی ان مبارک آیتوں پر نظر جمی رہی، اور قبلہ وصی بھائی کی حضور ﷺ سے محبت کے بارے میں جو کچھ ان سے سنتا رہا، بہت کچھ سامنے آگئیں انہوں نے ضرور اپنے طور سے اور عتابانہ حضور ﷺ سے عمل کے حصول کے لیے بیعت کی تھی اور ہمیشہ ان ہی اصولوں پر زندگی گزارنے کی کوشش میں مصروف بھی رہے۔ یہ مبارک آیتیں تو بیعت رضوان کی خوبصورت حقیقت سے وابستہ تھیں لیکن وصی بھائی کی بیعت ایمان میں سچائی، قلب میں پاکی، ایچھے اور خوبصورت عمل کے ساتھ زندگی گزارنے کا اللہ تعالیٰ سے وعدہ تھا، جس کو نبھاتے ہوئے رخصت ہوئے۔

مارچ ۲۰۰۹ء کی بات ہے، ایک اور قلمی دورہ سے دوچار ہوئے، سانس میں تکلیف ہوئی، ہسپتال گئے، اللہ تعالیٰ نے شفا عطا کی، ہم لوگوں کو کچھ اور دن ان کی شفقت، محبت و مہربانی کے دن ملے لیکن قلب کی کمزوری بڑھتی ہی گئی، دواؤں کی تیزی کی وجہ سے بھی چلنے پھرنے اور باہر نکلنے سے مجبور ہو گئے، مسجد جو کہ دو قدم پر ہے وہاں بھی نہ جاپاتے، ان کا بستر ہی ان کی مسجد اور ان کا سجدہ گاہ بنا رہا اور اسی سجدہ گاہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں واپس بلا لیا۔

جتازہ کی نماز قابلِ صدا احترام حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے پڑھائی، قبرستان تک پہنچایا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا، جن کی محبت اور مہربانیوں کا تسلسل ہمیشہ ان کو حاصل رہا جس کا

تذکرہ بڑی ہی محبت اور بڑے فخر سے کرتے، تحریری طور پر خطوط میں اور ملاقات پر بھی، ان کی باتوں پر بے حد خوشی کا اظہار کرتے جس میں ان کے چہرہ کا اتار چڑھاؤ بھی ہوتا، بے حد روشن، ممنونیت اور محبت کا صحیح عکس نظر آتا، سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح اور کن الفاظوں میں اپنے احساسات کو شکرانہ کے طور پر آپ کی اور محترم مولانا واضح رشید حسنی ندوی کی خدمت میں پیش کروں، دورہ کر عجب سی محرومی کا احساس ہوتا ہے، یہی دعا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ دونوں کو صحت اور سکون سے بھرپور عمرِ خضر عطا فرمائے اور ندوۃ العلماء جیسے ادارہ کی اعلیٰ علمی خدمت میں مصروف رکھے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی ہوئی دانائی سے بھرپور اور پیغمبرانہ شان کے ساتھ اس قرآنی شخصیت کی طرح یہ دعا بھی بہت ہی قدیم مبارک اور جانی پہچانی ہے اس کے علاوہ کوئی عصری دعا اس وقت میرے ذہن میں نہیں جسے رب العالمین کے حضور میں پیش کروں، دل کی گہرائیوں سے نکلے احساسات گزارشات ہیں، دعا کی شکل میں، وہ سبج و بصیر سنتا اور دیکھتا ہے انشاء اللہ ضرور قبول فرمائے گا، آمین۔

ندوۃ العلماء جس کی بنیاد بڑے ہی دیندار اور اپنے زمانہ کے عالمی شہرت کے بابرکت علماء کے ہاتھوں عمل میں آئی، مولانا محمد علی مولنیر، علامہ شبلی نعمانی، مولانا حیدر حسن خاں، علامہ سید سلیمان ندوی، اور ماضی قریب میں سارے دنیائے اسلام کی مشہور شخصیت ممتاز عالم دین حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں خوب ہی ترقی کی منزلوں کو حاصل کرتا رہا، علم دین میں اپنی خاص لیاقت کی افضل صلاحیتوں کے ساتھ ندوۃ العلماء پوری دنیا

میں بڑی ہی عزت کے ساتھ پہچانا جاتا ہے اور اب موجودہ دور میں آپ اور مولانا واضح صاحب اس ادارہ کی شان اور عزت ہیں، اس مبارک ادارہ کو اس کے عزت مآب علماء اور بانیوں نے چودہ سو سال پہلے ہمارے پیارے پیغمبر آخر الزماں رحمت اللعالمین کے قائم کئے مدرسہ مدینہ طیبہ کی مقدس شان کے ساتھ شروع کیا، وہی دین وہی تعلیم، وہی اخلاق، دسویں صدی عیسوی کے مصر کا جامع ازہر بھی، بارہویں صدی عیسوی کا سلجوقی نظامیہ مدرسہ بھی، گزرتے وقت کے ساتھ ندوۃ العلماء نے قرطبہ، غرناطہ اور ایشیلیا کا زبردست علمی نظام اور دینی ماحول بھی حاصل کیا، تاشقند و بخارا کے علمی و دینی اداروں کی نفاست، تہذیب اور شان بھی ہے آسمان کی گردش کسی تہذیب یا ادارہ کو نہیں چھوڑتی، کچھ دنوں کے لیے ندوہ بھی اس گردش سے نہ بچ سکا اور اس ادارے نے خراب دن بھی دیکھے لیکن اس ادارہ کی خوش قسمتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہمیشہ حاصل رہا پچھلی صدی کے پچاس کی آخری دہائی سے مسلسل اس کا اعلیٰ مرتبہ بڑھتا گیا۔ حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی بہت ہی اعلیٰ علمی صلاحیتوں کا خوبصورت آئینہ۔

ہمارا چھوٹا سا خاندان ندوۃ العلماء کے ہمسایہ میں رہ کر پلا بڑھا، یہی ہماری جائے پناہ بھی اور روحانی سکون کی جگہ، بچپن سے ہی اس ادارہ کے علمی فضا میں ہم بہن بھائیوں نے پرورش پائی، ابا صاحب مرحوم نے ندوہ ہی کے ملحق اور اس کی خوبصورت مسجد کے زیر سایہ ایک چھوٹا سا گھر بنوایا، خود بھی انگریزی کے استاذ کی حیثیت سے طالب علموں میں مصروف رہے، ندوہ کے

کلائر کے اوقات میں یا کسی وقت بھی گھر پر طالب علم آتے اور پڑھتے، بڑی محبت اور تعلق سے ندوہ کی خدمت میں مصروف رہے۔ قریب قریب ہر سال لکھنؤ کا سفر ہوتا ہے، ندوہ کے شب و روز میں کیسا زبردست فرق آیا ہے، خوبصورت عمارتوں کا جھنڈ، کشادہ ہوٹل، نیا کتب خانہ، حفظ کی وسیع عمارت، کمپیوٹر کلاس، صحافت کا نیا ڈپارٹمنٹ، سب سے خوبصورت مسجد کی توسیع، ندوہ کو کیا معلوم تھا کہ بیسویں صدی میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے ساتھ رائے بریلی سے ایسی مبارک ہستیاں اس ادارہ کی خدمت میں اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کے ساتھ اس کی ترقی کی جدوجہد میں مصروف رہیں گی، کیوں نہ ہو یہ خاندان ایسی پاک ہستی سے تعلق رکھتا ہے جس نے ہندوستان کی آزادی اور قوم و ملت کی عزت اور ہندوستان میں اسلام کی عظمت اور اس کی بقا کی خاطر انگریزوں سے جنگ میں شہادت حاصل کی اور سارے دنیائے اسلام میں بھی حضرت سید احمد شہیدؒ کے نام سے بڑے ادب اور احترام کے ساتھ جانے جاتے ہیں۔

۱۹۹۰ء کے لگ بھگ قبلہ وصی بھائی شاہ جہاں پور سے ریٹائرڈ ہو گئے اور زندگی کا بہترین حصہ آبائی گھر ندوۃ العلماء کے ہمسایہ میں گزارا، اللہ تعالیٰ نے لکھنے پڑھنے کا خاص ہنر دے رکھا تھا، اعلیٰ تصنیفات میں مصروف رہے، تعمیر حیات کے اڈیٹوریل بورڈ میں رہے، اور ان کے مضامین اور مقالے بڑی قدر کے ساتھ پڑھے جاتے، بڑے فخر اور اعزاز کے ساتھ حضرت مولانا علی میاں کی تصنیفات پر مقدمہ لکھتے، بہت ہی پسند کئے گئے اور مولانا کی کتابوں کا حصہ ہوا، آپ کی بھی گراں قدر کتابوں پر مقالات

لکھے اور آپ نے بڑی ہی قدر افزائی فرمائی، ندوہ کے علماء کرام کی حیات زندگی پر کتاب لکھی اور پسند کی گئی۔ اپنی تصنیفات پر انعام بھی حاصل ہوا جو کہ ضرورت مند حضرات اور قریب لڑکیوں کی شادیوں میں بڑے ہی احسن طریقہ سے استعمال ہوا۔

وصی بھائی کو بڑا ہی فخر تھا اور اپنی عزت سمجھتے تھے کہ زندگی کا بہترین حصہ حضرت مولانا علی میاں کے ساتھ ان کی زندگی میں اور مسلسل تعلق آپ حضرات کے ساتھ رہا، آپ کا خود بے حد محبت کے ساتھ برادرانہ تعلق رہا اور بے انتہا خیال رکھتے، بیماری کے دنوں میں ہر طرح کی سہولت پہنچائی اور خبر گیری کرتے رہے، وصی بھائی نے بڑے ہی فخر کے ساتھ اس اہم عالمی شہرت علمی، دینی، ادبی ادارے کی خدمت کی، خوب ہی مصروف رہے اور بڑے ہی مقدس ماحول میں وقت گزارا، خاص طور سے عصر اور مغرب کے درمیانی اوقات میں مہمان خانہ کے سامنے ندوہ کے اساتذہ ایک دو مہمان خصوصی آپ کی صدارت میں بہترین ادبی و علمی محفل میں شریک رہتے، یہ علمی روایت شاید حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کے زمانے سے شروع ہوئی تھی، اس زمانہ میں مسجد کے سامنے پھول پودوں سے گھرا خوبصورت سا چوترا تھا جس کے چاروں طرف مہمان خانہ کی کرسیاں ہوتیں، اس زمانہ میں یہ محفل صبح فجر کے بعد ہوا کرتی تھی، گزرتے وقت کے ساتھ حضرت مولانا علی میاں نے ان خوبصورت شاموں کو اور صبحوں کو بھی علمی جلادی۔ آج کل آپ اس محفل کی شان ہیں، وصی بھائی ان محفلوں سے بہت ہی لطف اندوز ہوئے، لکھتے بڑے ہی فخر محسوس کرتا ہوں کہ وقتاً فوقتاً اپنے سفر اور قیام کے دوران اس روحانی محفل میں

حبیب اللہ اعظمی - چند تاثرات

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ہندی ترجمان "سچا رہی" کے معاون ایڈیٹر جناب حبیب اللہ اعظمی صاحب ۲۳ رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ (۳ ستمبر ۲۰۱۰ء بروز جمعہ عصر کے وقت انتقال فرما گئے، اللہ وانا الیہ راجعون۔ اعظمی صاحب کی تاریخ پیدائش ۳ جنوری ۱۹۲۸ء ہے، وہ اعظم گڑھ کے رہنے والے خوش حال گھرانے کے تھے اعلیٰ تعلیم حاصل کی، مدرسی کا پیشہ اختیار کیا اور ترقی کر کے حسین آباد انٹر کالج کے پرنسپل کے عہدہ پر فائز ہوئے، عزت و وقار کے ساتھ اس منصب سے ریٹائرڈ ہوئے۔ لکھنؤ ہی میں رہائش اختیار کی، دینی تعلیمی کونسل سے وابستہ ہوئے اور وہاں کے ذمہ داروں سے بہت اچھے روابط رہے، مارچ ۲۰۰۲ء میں جب ندوۃ العلماء سے ایک ہندی پرچہ "سچا رہی" کا اجراء ہوا تو اس کے معاون ایڈیٹر مقرر ہوئے، آخر سانس تک وہ دینی تعلیمی کونسل اور سچا رہی سے وابستہ رہے۔

دینی تعلیمی کونسل نے جو سرکاری کورس کی تاریخ و ادب کی کتابوں کا کام کیا، اس میں اعظمی صاحب کا اہم رول رہا، انہوں نے نشاندہی کی کہ کہاں کہاں اسلام مخالف مواد ہے۔ اس کے بنیاد پر دینی تعلیمی کونسل نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ نصاب کی بعض کتابوں کی اصلاح کی جائے اور اسلام مخالف مواد نکالے جائیں۔ اعظمی صاحب نے سچا رہی کے لیے اردو کے مفید مضامین کا ہندی میں ترجمہ کا کام سنبھالا، انہوں نے تاریخ میں ہماری بادشاہی، مختصر تاریخ ہند کا ترجمہ سچا رہی میں چھپوا کر، اسی طرح جنگ آزادی میں ندوۃ العلماء کا کردار اور خواتین اسلام کا ترجمہ کر کے سچا رہی کو پیش کیا۔ پہلے پرچہ سے لے کر اب تک ان ترجموں کے کوئی ترجمہ خالی نہ رہا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کی قسطیں جاری رہیں گی۔

خوش مزاج و با وضوح تھے ندوۃ آتے تو شیر وانی میں آتے، ہر وقت سنجیدہ رہتے، خوش کن بات پر مسکرا دیتے، کبھی ٹھٹھا لگا کر ہنستے نہیں دیکھا، کسی سے بحث و مباحثہ کرتے نہیں دیکھا، بڑے ضلیق اور بڑے ملنسار تھے، حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی عقیدت رکھتے تھے، ناظم ندوۃ العلماء جناب مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ سے بھی عقیدت سے ملتے تھے اور مولانا ان کا لحاظ فرماتے جناب مولانا سعید الرحمن اعظمی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء سے بھی اچھے روابط تھے، شہر کے عمائدین سے ان کے اچھے تعلقات تھے۔

انتقال سے دو روز قبل بخارا آیا، نمونیہ ہو گیا، اسپتال میں داخل ہوئے وقت موعود آچکا تھا، جان نہ ہو سکے اور ۸۳ سال کی عمر میں انتقال کر گئے دوسرے دن شنبہ کو ظہر کی نماز کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں نماز جنازہ جناب مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء نے پڑھائی، اگرچہ دارالعلوم میں تعطیل تھی، طلبہ اور اساتذہ اپنے اپنے وطن میں تھے، پھر بھی نماز میں شرکت کرنے والوں کی بڑی تعداد تھی، ڈالی گنج کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ پسماندگان میں تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں، سب الحمد للہ خوش حال ہیں۔

☆☆☆☆☆

شریک ہو چکا ہوں، کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ ندوۃ العلماء اور یہاں سے مہمان خانہ کے ارد گرد کی فضاء اور ماحول نے یہاں کے آسمان نے کیسے کیسے گرا ندر علماء کرام کی علمی محفلیں دیکھیں، اور ان کی باتیں سنی ہوں گی اور اب بھی جھومتا شہ ہیں، ان علمی ماحول کے خالق وہ لوگ ہیں جو کردار و گفتار میں اللہ کی برہان ہیں، کاش ان کی علمی باتوں کو کسی نے قلم بند بھی کر لیا ہوتا، کیسا گرا ندر ظلم کا خزانہ عوام اور طلباء کو حاصل ہوتا۔

وہی بھائی کے لیے ندوہ کا نام ہی ان کے لیے ایک خاص کلمہ تھا جو ان کی زندگی میں بڑی اہمیت کے ساتھ وابستہ رہا، جولائی ۱۹۵۷ء کی بات ہے، لوٹنگ آئی لینڈ نیویارک میں گھر خریدا، بے ساختہ گھر کے نام کے لیے ندوہ کا نام ذہن میں گھر گیا، گھر اسی نام سے رجسٹرڈ کرادیا، وہی بھائی کو اطلاع دی، خط لکھا، نام دیکھ کر بے انتہا خوش ہوئے لکھا کہ ندوۃ العلماء کا ہم سب پر احسانات کا حق اس طرح ادا کیا ہے، وہاں بھی بڑی با برکت ندوہ قائم ہو گیا، کتنی صحیح بات تھی کہ قہی، ایک سال کے اندر اندر محترم ابا صاحب اور امی جان تشریف لائے اور پھر ان ہی دنوں آپ کے ساتھ حضرت مولانا علی میاں کے مبارک قدم اس گھر کی قسمت ہی کھل گئی، مبارک با برکت شخصیتوں نے اس گھر کو خوب سجایا، ان حضرات کی موجودگی میں یہ گھر مسجد بھی بنا اور تعلیم گاہ بھی، کتنے اچھے اچھے حضرات اس گھر کے مہمان بنے، مولانا عمران خاں صاحب، مولانا عبداللہ صاحب وطن سے اعز و اقربا اللہ تعالیٰ نے اس گھر کو اپنے فضل و کرم سے سجا رکھا ہے، آپ نے اپنی کتاب (دو مہینہ امریکہ میں) اس گھر کے بارے میں بڑی محبت اور خلوص کے ساتھ لکھا ہے، جسے بڑے فخر سے پڑھتا رہتا ہوں۔

☆☆☆☆☆

سوال و جواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: عازمین حج کو چھوڑنے ان کے رشتہ دار اور احباب اسٹیشنوں اور حج ہاؤس تک جاتے ہیں، اسی طرح واپسی میں استقبال کے لیے ایئر پورٹ تک آتے ہیں، ان میں مرد و عورت سب ہوتے ہیں، کیا شرعی نقطہ نظر سے یہ درست ہے؟

جواب: حجاج کرام کو چھوڑنے کے لیے اسٹیشنوں یا حج کمیٹیوں تک جانا از روئے شرع درست ہے بلکہ باعث ثواب ہے، امام غزالی نے احیاء العلوم میں حضرت حسن کی یہ روایت نقل کی ہے کہ جب حاجی حج کے لیے روانہ ہوں تو تم ان کو وداع (چھوڑنے) کے لیے جاؤ اور دعاء خیر کے لیے ان سے درخواست کرو اور جب حج سے واپس آ جاؤ تو ان سے ملو اور مصافحہ کرو قبل اس کے کہ وہ دنیا کے کاموں میں لگ کر گناہوں میں مبتلا ہو جائیں بلاشبہ ان کے ہاتھوں میں برکت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء میں فرمایا "اللہم اغفر لسی للرحاج و لمن استغفر لہ الحجاج" (اے اللہ تو حاجیوں اور ان لوگوں کی مغفرت فرما جن کے لیے حاجی تجھ سے مغفرت کی درخواست کریں)

البتہ عورتوں کا نکل کر اسٹیشنوں یا ایئر پورٹ تک جانا مناسب نہیں، علماء نے اس کو منکرات میں شامل کیا ہے، اور شوہر کو تاکید کی ہے کہ وہ اپنی عورتوں کو باہر نکلنے سے اس طرح کے مواقع سے بھی روکیں۔

سوال: ایک بیمار شخص نے اپنا حج فرض اپنے ایک دوست سے حج بدل کے طور پر کر لیا، ان کو یہ اندازہ تھا کہ اب میرا جانا ممکن نہیں۔ اللہ کے فضل سے دو تین سال کے علاج کے بعد اب وہ تندرست ہو گئے ہیں اب سوال یہ ہے کہ کیا اس حج کو گویا یا ذمہ میں باقی ہے؟

جواب: حج بدل کے شرائط میں یہ ہے کہ عذر تاحیات باقی ہو۔ اب جب کہ یہ تندرست ہو گئے ہیں تو خود حج کرنا لازم ہے حج بدل ان کے لیے کافی نہیں رہا البتہ اس کا ثواب ان کو یقیناً ملے گا۔ (رد المحتار ۲/۲۳۸)

سوال: کیا عورت حج بدل میں جاسکتی ہے؟ ایک عورت اپنی ماں کی طرف سے حج بدل کرنا چاہتی ہے کیا اس کی گنجائش ہے؟

جواب: شوہر یا کوئی محرم ساتھ میں ہو تو عورت بھی حج بدل میں جاسکتی ہے لیکن مرد کو حج بدل میں بھیجنا زیادہ بہتر ہے۔ (رد المحتار ۲/۲۳۱)

سوال: کیا حج بدل میں جانے والا اپنے گھر کا خرچ اور ان ایام میں اس کی تجارت یا تنخواہ میں جو نقصان ہوا ہے اس کو حج بدل کرانے والے سے لے سکتا ہے؟

جواب: حج بدل کرانے والے سے گھر کا خرچ یا تجارت و تنخواہ کے نقصان کی تلافی کے لیے رقم لینا جائز نہیں ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ حج بدل پر اجرت لینا اور دینا جائز نہیں ہے۔ (الدر المختار ۱/۱۸۱)

سوال: کیا حج بدل میں ایسے شخص کو بھیجا جاسکتا ہے

جس نے اپنا حج نہ کیا ہو تو کیا حج بدل ادا ہو جائے گا؟
جواب: حج بدل میں اس شخص کو بھی بھیجا جاسکتا ہے جس نے اپنا حج نہ کیا ہو البتہ ایسے شخص کو بھیجنا افضل ہے جس نے اپنا حج فرض ادا کر لیا ہو، فتاویٰ ہندیہ میں صراحت موجود ہے "لو اوحج رجلا لم یحج عن نفسه حجة الاسلام یحوز عندنا وسقط الحج عن الامر" (فتاویٰ ہندیہ ۱/۲۵۷) ترجمہ: اگر کسی نے ایسے شخص سے حج بدل کر لیا جس نے اپنا حج فرض ادا نہ کیا ہو تو احتیاف کے یہاں یہ جائز ہے اور حج کرانے والے کے ذمہ سے فرض ادا ہو جائے گا۔

سوال: جس نے اپنا حج فرض ادا نہیں کیا ہے اور نہ وہ اس کی استطاعت رکھتا ہے لیکن حج بدل میں جانے کی وجہ سے کعبہ پر نظر پڑنے سے اس پر کیا حج فرض ہو جاتا ہے؟

جواب: بعض علماء کا فتویٰ تو یہی ہے کہ خانہ کعبہ پر نظر پڑنے کے بعد ایسے شخص پر حج فرض ہو جاتا ہے لیکن راجح قول یہ ہے کہ جس کو حج کی استطاعت نہیں ہے خانہ کعبہ پر نظر پڑنے اور دوسرے کی طرف سے حج کرنے کی وجہ سے اس پر اس سال حج فرض نہیں ہو جاتا ہے بلکہ آئندہ اگر اس کو استطاعت ہوئی تب حج فرض ہوگا۔ علامہ ابن عابدین شافعی لکھتے ہیں: "اقول و ظاہرہ مقیدان الضرورة الفقیر لا یحب علیہ الحج بدخول مکة" (میرا خیال ہے کہ غیر مستطیع اگر مکہ میں داخل ہو جائے تو اس پر حج واجب نہیں ہوگا) (رد المحتار ۲/۲۳۱ مطلب فی حج الضرورة)

سوال: احرام کی چادر جو حج اور عمرہ میں استعمال ہوتی ہے اس کو عام استعمال میں لایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: حج اور عمرہ کے بعد اس کی چادر عام استعمال میں لائی جاسکتی ہے اس کے ممنوع ہونے کی کوئی شرعی وجہ نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

عالم اسلام

جاوید اختر ندوی

نعت اسلام سے سزا ہو چکے ہیں۔

اس کے علاوہ یہ کمیٹی مختلف میدانوں میں اپنا امتیازی کردار ادا کر رہی ہے، جس کے نمازوں میں خطبوں کا انتظام، مختلف زبانوں میں ان کے ترجمے، ہر سال روزہ داروں کو افطار کرانا، نو مسلم مرد و عورت کو اسلامی اور دینی غذا بہم پہنچانا، غیر مسلموں کے لیے مختلف زبانوں میں محاضرات و دروس کا انتظام اور ان کے سامنے اسلام کی مکمل تشریح پیش کرنا، غیر عرب کے لیے عربی زبان کی تعلیم کا انتظام اور مسلمانوں و غیر مسلموں کے لیے مختلف زبانوں میں دعوتی رسائل، کتابیں، سی ڈیاں اور وسائل کا انتظام کرنا، یہ وہ امور ہیں جن کی طرف یہ کمیٹی اپنی توجہ مبذول کر رہی ہے، اور ان میدانوں میں نمایاں خدمات انجام دے رہی ہے۔

اس کے علاوہ ملک سے باہر بھی اس کے خدمات جاری ہیں، چنانچہ وہ دوسرے ممالک میں کام کرنے والی دعوتی جماعتوں اور داعیوں کی مالی و معنوی معاونت کرتی ہے، کمیٹی نے دعوتی ٹریننگ کے لیے ایک ادارہ بھی قائم کیا ہے جس میں نوجوان و جوان مسلمانوں کی ٹریننگ ہوتی ہے اور ان کو مختلف محاذوں پر استعمال کرنے کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔

اسی کے ساتھ اس کمیٹی کا دعوتی کام کچھ اہم خصوصیات کا حامل ہے، شروع سے ہی اس کا منہج غلو و انتہاپسندی سے دوری اور اعتدال و توازن کا حامل رہا ہے، اور کمیٹی کے اندر ہر ملک کے لوگوں کے

(۴۸) ہزار افراد کا قبول اسلام

کمیٹی برائے تعارف اسلام (کویت) نے ایک بیان میں کہا ہے کہ اس کے داعیوں کے ہاتھوں ۲۳ برس کے اندر (۲۰) ہزار افراد حلقہ بگوش اسلام ہوئے، یہ کمیٹی ۱۹۷۸ء میں قائم ہوئی، اس کا صدر دفتر کویت میں ہے اور اس کے تحت مختلف ذیلی شاخیں کام کرتی ہیں، کمیٹی کا آغاز آج سے ۳۲ برس قبل ایک چھوٹے سے کمرہ میں چند باہمیہت و باہمت نوجوانوں نے کیا تھا، پھر اس کے تحت مختلف ممالک کے لوگوں کو عربی زبان کی تعلیم، اس کے بولنے اور سمجھنے کی طرف توجہ دینے لگے، اور پھر ان کو اسی زبان میں اسلام کا تعارف، اس کے لازوال تعلیمات، انسانی اقدار اور بے نظیر فلسفہ حیات سے آگاہ کرنے لگے۔

اسی نگر اور طرز پر یہ کمیٹی کام کرتی رہی، پھر اس چھوٹے سے کمرہ میں توسیع ہوئی اور ایک دن وہ وزارت اوقاف کا حصہ بن گئی، اس کا صدر دفتر شارع فہد سالم پر مسجد "ملا صالح" میں بن گیا، اس وقت پورے کویت میں اس کی (۱۵) شاخیں قائم ہو گئی ہیں، ہر شخص اس کی خدمات سے یہاں واقف ہے، اور مختلف زبانوں پر بیورو بہارت رکھنے والے اہلیوں کی ایک جماعت کی خدمات اس کمیٹی کو حاصل ہیں، یہاں تک کہ اس کے داعیوں کی تعداد (۷۳) ہو گئی، اور اس کی خدمات کا عالم یہ ہے کہ آج ۲۰۱۰ء میں اس کمیٹی کے ذریعہ مختلف ممالک سے تعلق رکھنے والے (۲۸) ہزار افراد مرد و عورت

لے الگ الگ دفاتر ہیں، مثلاً کویت میں مقیم فلپائنی حضرات کے لیے دفتر ۲۰۰۶ء میں قائم کیا گیا جس کے ذریعہ سیکڑوں فلپائنی اسلام قبول کر چکے ہیں، اسی طرح یورپی ممالک کے لیے الگ دفاتر ہیں، جن کے ذریعہ متعدد حضرات اسلام قبول کر چکے ہیں، اور اسلام کا تعارف پیش کرنے کے لیے چھوٹے چھوٹے جلسے منعقد کئے جاتے ہیں، جن کے ذریعہ یورپین افراد اور مسلمانوں کے درمیان خلیج کو پائے اور دونوں کو ملانے کا اچھا کام ہو رہا ہے۔

کمیٹی نو مسلموں کو مکمل دینی و اسلامی غذا فراہم کرتی ہے، ان کے لیے مختلف شاخوں میں دروس اور علمی حلقے منعقد کرتی ہے، ان کی ثقافتی نگرانی کرتی ہے، اور ممتاز و نمایاں نو مسلموں کو اپنے یہاں بلاتی اور ان کی میزبانی کرتی ہے، ان کے ذریعہ دیگر متعدد افراد حلقہ اسلام میں داخل ہوتے ہیں، اور ان کا اسلام پر اعتماد پختہ اور مضبوط ہوتا ہے۔

اقراء اسلامک کمیٹی کے تحت (۱۵) ہزار افراد حلقہ بگوش اسلام
اقراء اسلامک کمیٹی بھی کویت کی ان کمیٹیوں میں شمار ہوتی ہے جو اسلام کے تعارف اور اس کی دعوت کو عام کرنے اور دوسروں تک اس کے پیغام کو پہنچانے کے لیے سرگرم ہے، یہ کمیٹی بھی وزارت اوقات کویت کے نزدیک قابل اعتبار اور لائق تحسین ہے، اس کا صدر دفتر بھی مسجد ہی میں ہے، "جمیۃ الاصلاح الاجامی" اور "جمیۃ الشیخ عبداللہ النوری" کی طرف سے اس کا مالی تعاون ہوتا ہے۔

کویت میں سری لنکا کے مسلمانوں کے حالات ان کے اندر دعوتی کام اور اسلام قبول کرنے کی رفتار پر مکمل تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے کمیٹی کے صدر محمد مناس نے کہا کہ کویت میں مسلم و غیر مسلم سرینانکائی افراد ایک لاکھ کے قریب ہیں، ان

میں پندرہ ہزار مسلم ہیں باقی غیر مسلم، اس ایک لاکھ میں کویت میں مقیم عورتوں کی نمائندگی ۶۵ فیصد ہے۔ اقرام اسلامک کمیٹی کی بنیاد اور وجہ تاسیس پر روشنی ڈالتے ہوئے شیخ مناس نے کہا کہ کویت پر حملہ سے قبل کچھ سرگرم تنظیمیں انفرادی طور پر سرینانکائی لوگوں میں دعوت کا کام کرتی تھیں، اور وہ بعض مساجد میں دروس و دینی حلقے منعقد کرنے پر اکتفا کرتی تھیں، ۱۹۹۲ء میں کویت کی آزادی کے بعد ہم لوگوں نے مشورہ کیا اور ان حضرات میں دعوتی کام منظم طور پر انجام دینے کے لیے مستقل ایک کمیٹی کی بنیاد ڈالی، اس طرح اقرام اسلامک کمیٹی کی تاسیس ہوئی اور یہ کمیٹی سرکاری محکموں اور ہر جگہ سرینانکائی لوگوں میں دعوتی کام کے عنوان سے جانی جاتی ہے۔

کمیٹی کے مقاصد کے تعلق سے شیخ مناس نے کہا کہ یہ نو خیز نسل اور نو مسلموں کو خاص طور پر اخلاق حمیدہ سے متصف ہونے، رذائل سے دور رہنے، اپنے ماریوٹن کے لیے نیک نامی کا ذریعہ بننے اور اچھے اسلامی اخلاق کا نمونہ پیش کرنے اور ان کے مابین دینی دروس، حلقے اور باہر کے داعیوں کے خطابات کروانے اور حج و عمرہ کروانے، ثقافتی مقابلے منعقد کرانے اور ان میں اسلام کے تعارف پر مشتمل کیسیٹ، سی ڈیاں تقسیم کرنے پر اپنی توجہ مرکوز کرتی ہے۔

تاتاری مسلمان اپنے گھروں کو مسجد کی شکل دے رہے ہیں
تاتاری مسلمانوں نے اپنے گھروں میں ترمیم کرنا شروع کر دیا ہے، اور وہ اپنے گھروں کو مسجد کی شکل دے رہے ہیں، یہ عمل جزیرہ القرم اور قیاس میں ہو رہا ہے۔

گھروں کو مسجد میں تبدیل کرنے کی روایت کئی سال پہلے شروع ہوئی، جب آزادی کے بعد چند برسوں قبل مہاجر تاتاری وطن لوٹنے لگے تو ان لوگوں نے اپنی اسلامی شناخت کو زندہ کرنا

شروع کر دیا اور مسجدوں کو الگ سے قائم کرنے کے بجائے گھروں کو مسجد میں تبدیل کرنے لگے۔ ۱۹۳۳ء میں سویت یونین کے خالمانہ روہیہ کی وجہ سے لاکھوں تاتاریوں کو ایشیائی ممالک اور روس ہجرت کرنے پر مجبور ہونا پڑا، ان کے گھر، زمین اور مساجد دینی تنظیمی ادارے قرق کر دیے گئے، تاتاری مسلمانوں کو اس عمل میں بہت آسانی محسوس ہو رہی ہے، اس سے دینی تعلیم اور عبادت کے لیے ان کے پاس آسان اور اچھی جگہ نکل آئی، اور یہ عمل ان کو اپنے اسلامی تشخص کی طرف لوٹنے اور دوسروں کے ساتھ انسانی ہمدردی کرنے میں بڑا معاون ثابت ہو رہا ہے۔

واشنگٹن میں سب سے بڑی مسجد تعمیر کرنے کی کوشش
امریکی دارالحکومت واشنگٹن میں ترکی حکومت سب سے بڑی مسجد تعمیر کرنے کی کوشش کر رہی ہے، جب کہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے دونوں ٹاوروں پر حملہ کے بعد گراؤنڈ زیرو کے مقام پر مسجد کی تعمیر ابھی موضوع بحث بنی ہوئی ہے۔

ترکی نے دس سال قبل واشنگٹن میں ۳۳ ہزار میٹر مساحت زمین ایک عظیم الشان مسجد قائم کرنے کے لیے خرید اٹھا، اب ترکی وزارت خارجہ اور ترکی کی وزارت دینی امور وہاں مسجد کی تعمیر کا کام شروع کرنے کے لیے بڑی کوششیں کر رہی ہیں، اس کے لیے اکتوبر میں امریکہ کے ضمنی الیکشن کے بعد تعمیر کی اجازت کا وزارت دینی امور انتظامی کر رہی ہے، واشنگٹن میں موجود ترکی کے ذمہ دار لوگوں نے اس کے لیے ابھی ہی سے فضا ہموار کرنے کی کوشش شروع کر دی ہے، یہ حضرات قریب کے گرجا گھروں، چرچوں اور دیگر مقامات کی زیارت کر کے وہاں کے لوگوں کو اس کے بارے میں بتا رہے ہیں۔

مسجد بہت خوبصورت اور اعلیٰ تعمیری فن پر قائم کی جائے گی، جس میں سلجوقی اور عثمانی دونوں فنون کا لحاظ رکھا جائے گا، اجمالی طور پر استنبول کی مسجد سلطان کے طرز پر اس کی تعمیر ہوگی۔

قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر کے مخطوطات کی کتابیات
اسلامی کانفرنس کے مرکز تحقیق برائے اسلامی تاریخ، فنون اور ثقافت کے زیر اہتمام قرآن مجید کے اردو تراجم و تفاسیر کے مخطوطات پر مبنی بلیو گرائی شائع ہوئی ہے جسے پاکستان کے معروف محقق اور ماہر مخطوطات ڈاکٹر احمد خان نے مدون کیا ہے، اس کی تدوین میں ڈاکٹر احمد خان (اسلام آباد) نے صرف پہلے سے موجود فقہارس اردو تراجم اور دوسری مطبوعات سے مدد لی ہے بلکہ بہت سے کتب خانوں میں محفوظ مخطوطات کا گہرا مطالعہ بھی کیا ہے۔

بلیو گرائی میں ڈاکٹر احمد خان کا تحریر کردہ تعارف اور اسلامی کانفرنس کے سکریٹری جنرل پروفیسر اکمل الدین احسان اوغلو کا پیش لفظ بھی شامل ہے، ادارے کی طرف سے اس سے قبل ۲۰۰۰ء میں اردو، فارسی، ترکی کے علاوہ بقیہ دیگر زبانوں میں کئے گئے قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر کے مخطوطات کی بلیو گرائی شائع کی گئی تھی، فارسی اور ترکی زبانوں میں کئے جانے والے تراجم و تفاسیر کے مخطوطات کی علیحدہ علیحدہ بلیو گرائی کی تیاری کا کام جاری ہے۔

ادارے نے قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر کے تعلق سے سب سے پہلے ۱۹۸۶ء میں دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن مجید کے مطبوعہ تراجم کی کتابیات کی تدوین و اشاعت کا کام کیا تھا، جس میں اردو کی مطبوعات تراجم کی بھی تفصیلات موجود تھیں، اس وقت اس کتابیات پر نظر ثانی اور اس میں اضافوں کا کام جاری ہے۔

☆☆☆☆☆

مسلم پرسنل لائبریری کی مجلس عاملہ کا جلسہ

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے عباسیہ ہال میں مورخہ ۲۷ ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۶ اکتوبر ۲۰۱۰ء مجلس عاملہ آل انڈیا مسلم پرسنل لائبریری کا ایک اہم جلسہ صدر بورڈ حضرت مولانا سید محمد راجح حسنی ندوی مدظلہ کی صدارت میں منعقد ہوا، انعامت کے فرائض اسٹنٹ جنرل سکریٹری جناب عبدالرحیم قریشی صاحب نے انجام دیئے۔

جلسہ کا آغاز مولانا سید سلمان حسنی ندوی استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء کی تلاوت کلام پاک سے ہوا، انہوں نے موضوع کی مناسبت سے آیات کریمہ ”انما یعمر مساجد اللہ من امن باللہ ولیموم الآخر“ سے ”واللہ ینزل من السماء ماء فیکون بهیضاً من اللہ لعلکم تدرکون“ تک تلاوت فرمائی اور ایک ماہ بند ہو گیا۔

اس کے بعد بورڈ کے سرگرم ارکان مولانا عمید الزماں کیرانوی، مولانا غلام رسول خاموش اور ندوۃ العلماء کے معتمد مال پروفسر وحی احمد صدیقی اور دیگر حضرات کے لئے دعائے مغفرت کی گئی۔

صدر بورڈ مولانا سید محمد راجح حسنی ندوی دامت برکاتہم نے افتتاحی خطاب فرماتے ہوئے کہا:

برسوں کی کوشش کے بعد جو نتیجہ سامنے آیا اس نے ذہنوں پر اور طبیعت پر بڑا اثر ڈالا، ہمارا یہ ادارہ کوئی کاروباری ادارہ نہیں ہے، اس ادارہ کے پلیٹ فارم سے شریعت کی حفاظت کے لئے رضائے الٰہی کی طلب کے ساتھ ہمیں تبادلہ خیال کرنا چاہئے، ہم نظر انداز کئے جا رہے ہیں حالانکہ ہندوستان کے دستور میں ہر شہری کو جو حق دیا گیا ہے وہ ختم ہوتا جا رہا ہے اس لئے ہمیں بڑی حکمت و بصیرت سے کام لینا ہے اور لائحہ عمل تیار کرنا ہے، ہمیں حکم مل رہا ہے کہ ہم سب ”واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا.....“ ہم سب مل کر متحد ہو کر شریعت کی رسی کو پکڑیں۔

یوسف حاتم چھالہ نے کہا کہ سپریم کورٹ میں فیصلہ کو چیلنج کیا جائے اس لئے کہ یہ ہماری ضرورت ہے۔ ایک تو یہ کہ عقیدہ و آستما کے مطابق فیصلہ دیا گیا ہے، اس کے باوجود کورٹ کو یہ کہنا پڑا کہ یہاں مسجد تھی۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس فیصلہ سے قانون میں خلل پیدا ہو رہا ہے، اس کو چیلنج دے کر یہ کوشش کرنی ہے کہ قانون میں خلل پیدا نہ ہو، ایک سوچ مفاہمت کی بھی ہے، کچھ تم چھوڑو کچھ ہم چھوڑیں، لیکن کتنی مسجدیں آپ اس طرح چھوڑیں گے، اس کی تو لمبی فہرست ہے۔ تین ہزار عبادت گاہیں ہیں جن پر وہ اپنا دعویٰ پیش کر رہے ہیں، ان سب کو بچانے کے لیے ہم اپنے دستوری حقوق سے دستبردار نہیں ہو سکتے، ہاں یہ ضرور ہے کہ ہماری جدو جہد قانون کے دائرہ میں ہو۔

مولانا محمد سالم قاسمی نے کہا حکومت نے فیصلہ کے منظر پر ملک کو چھماڈنی بنا دیا تھا، یہ صرف تماشہ تھا، اس لئے کہ حکومت کو معلوم تھا فیصلہ کیا ہے، سپریم

کورٹ مسئلہ کو ضرور لے جایا جائے۔ اور دوسرے ارکان نے بھی اس موضوع پر اظہار خیال کیا۔

اس جلسہ میں ملک بھر کے علماء ماہرین قانون، عمائدین و ملک و ملت کی ایک بڑی تعداد شریک ہوئی اور مختلف امور پر تبادلہ خیال ہوا جن میں بابر صبح ملکیت سے متعلق لہ آباد ہائی کورٹ کی لکھنؤ بیجنگ کا یہ فیصلہ خاص طور پر زیر بحث رہا، جملہ ارکان اور مدعوین خصوصی کے مشورے اور غور و فکر کے بعد درج ذیل تجویز پر اتفاق کیا گیا اور سپریم کورٹ میں بیجنگ کا فائل میں یہ پریس ریلیز جاری کیا گیا:

بابری مسجد حق ملکیت مقدمہ پر ۳۰ ستمبر ۲۰۱۰ء کو لہ آباد ہائی کورٹ کی لکھنؤ بیجنگ کا فیصلہ اکثریتی طبقہ کے عقیدے کی بنیاد پر دیا گیا جو آئین ہند کے مطابق نہیں ہے، یہ فیصلہ شہاد کی بنیاد پر بھی نہیں ہے بلکہ محض عقیدہ کو ملحوظ رکھا گیا ہے، اس لئے کہ شریعت اسلامی کے مطابق مسجد نہ تو کسی کو تحفہ میں دی جاسکتی ہے اور نہ ہی مسجد کی جگہ پر مندر بنانے کی اجازت، اس لئے اس فیصلہ کو سپریم کورٹ میں چیلنج کیا جانا بہت ضروری ہو گیا ہے۔

جلسہ میں اتفاق رائے سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ ہائی کورٹ کے فیصلہ کو سپریم کورٹ میں چیلنج کیا جائے۔ جلسہ کو مطلع کیا گیا کہ سنی سنٹرل وقف بورڈ ہائی کورٹ لہ آباد لکھنؤ بیجنگ کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کرے گا۔

یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ جہاں تک مصالحت کا تعلق ہے، تو اب تک نہ تو کسی کی جانب سے کوئی ایسی کوشش ہوئی اور نہ ہی کوئی سنجیدہ تجویز آئی ہے جس پر بورڈ غور کرے.....

(بقیہ صفحہ ۳۲ پر)

صالح اور پاکیزہ ادب کی تخلیق و ترویج

رابطہ ادب اسلامی کلکتہ کے زیر اہتمام ایک ادبی نشست میں اظہار خیال

شہاب عالم ندوی

علم و ادب کے فروغ و عروج کے اس دور میں مسلم ادیبوں اور شاعروں کو اپنا فرض منصبی ادا کرنا ضروری ہے۔ بحیثیت مسلمان ان پر لازم ہے کہ وہ سطحی اور غیر صالح ادب کو شوق و مانا پانے سے روکیں اور صالح ادب کی تخلیق و ترویج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ ادب دراصل زندگی کی شاہ راہ پر قندیل رہبانی کے مانند ہے، جس طرح قندیل تاریکی کا پردہ چاک کر کے انسان کو راہ دکھاتی ہے اسی طرح ادب زندگی کی پگڈنڈیوں پر چلنے والے مسافر کو بتاتا ہے کہ اسے کس طرح راہ چلنا ہے، اب چونکہ قلم اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اس لیے وہ اس قلم سے تخلیق پانے والی انہی نگارشات کو پسند کرتا ہے جو اس کی مرضی سے ہم آہنگ ہوں، یہی وہ لفظ ہے جہاں سے ”اسلامی ادب“ کی اصطلاح جنم لیتی ہے۔ ادب ماضی کے دریچوں میں جھانک کر ماضی کے حالات کو حاضر سے ملاتا ہے، جس سے انسان کی شخصیت تکمیل پاتی ہے اور انسان کو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ سماج میں اس کا کیا مقام اور حیثیت ہے۔

ادب چونکہ معاشرے کی تعمیر اور انسان کی دانستگی کا سامان بہم پہنچاتا ہے اسی وجہ سے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ایک باقاعدہ سورہ ”قلم“ کے عنوان سے نازل فرمائی اور قلم کی قسم لے کر ”قسم

دی جن کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے ۱۹۸۲ء میں رابطہ ادب اسلامی کا قیام عمل میں آیا اور اس کا پہلا اجلاس دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں حضرت مولانا بی کے زیر صدارت منعقد ہوا، جس میں عالم اسلام کی تمام قد آور ادبی شخصیات نے شرکت کی اور مشفق طور پر اس لیگ کا قیام عمل میں آیا، جسے سب نے وقت کی اہم ضرورت قرار دیا اور اس کا صدر دفتر سعودی دارالحکومت ریاض میں قائم ہوا، ان خیالات کا اظہار مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء نے کلکتہ شاخ کے زیر اہتمام منعقد کردہ سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔

مشرقی ہند کے معروف شاعر جناب علقمہ شبلی نے کہا کہ ادب عالیہ کا تعلق ہمیشہ مذہب سے رہا ہے اسی وجہ سے انگریزی کے بھی وہ تمام بڑے شعراء وادباء جن کے نام گن آج دنیا گاتی ہے، انہوں نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے، جہاں تک اردو ادب کا سوال ہے تو کہا جاسکتا ہے کہ اس کا توجہ دہی مذہب سے ہوا ہے کیونکہ اردو ادب کی سب سے پہلی تخلیق تصوف کی ایک کتاب ہے جس میں مذہبی خیالات اور اقدار عالیہ کو پیش کیا گیا ہے، ادب میں مقصدیت لازمی ہے، اگر ادب میں مقصدیت نہ ہو تو ایسا ادب ادب نہیں، بے ادبی ہے، اردو ادب میں مذہب بیزاری کا ایک دور آیا تھا، لیکن اب پھر وہی طرز عود کر آیا ہے کہ شعری مجموعے اور دیوان حمد الٰہی اور منقبت رسول سے شروع ہونے لگے ہیں اور اشعار کے ذریعے شعرائے کرام اقدار عالیہ اور اسلامی احکامات کو فروغ دینے کی کوشش کر رہے ہیں جو قابل ستائش عمل ہے۔

MOHD. YASIN MOHD. YAMIN PERFUMERS

EXPORTERS & IMPORTERS

Tayyab Shamama	عطر شامامہ
Shamama Abid Special	شامامہ عابد اسپیشل
Amber Abid	عطر عابد
Mushk Amber	عطر مشک عابد
Attar Hena	عطر ہنہ
Attar Gulab	عطر گلاب
Attar Keora	عطر کیورہ
Attar Motia	عطر موتیا
Attar Zafran	عطر زعفران
Rooh Khus	روح خش
Jannatul Firdaus	جنت الفردوس
Majmua	مجموعہ



Kannauj-209725 (U.P.)

Tel : 05694-234445, 234725, Fax : 234388
Mobile : 09839208298 (Mohd. Furqan)
E-mail : mymykannauj@yahoo.co.in

Magbool Mian
Jewellers

مقبول میاں جوہلیس

Jutey Wali Gali, Aminabad Lucknow.
Mob: 9956069081-9919089014

Mohd. Zubair 0522-2618629
Mohd. Salman 09415028247
09919091462

Sahara
FOOTWEAR

35, Amethi House, Near Post Office, Aminabad, Lucknow-8

پروپرائٹر: ولی اللہ

ولی اللہ جوہلیس

WALIULLAH
JEWELLERS

All Kinds of Gold, Silver
& DIAMOND Jewellery

Mob. 9415090544, 9936672278
Phone : 0522-2627446 (S)
e-mail : waliullahjewellers@gmail.com

Jutey Wali Gali, Aminabad,
Lucknow.

مہینہ کی قارئین کی خدمت میں

مہینہ کی قارئین "عقیدہ حیات" سے گزارش ہے کہ "عقیدہ حیات" کے سلسلہ میں درج کردہ ہر ایک
پتے کے سلسلہ میں ذیل کے پتے پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو قارئین کرنے کی سہولت حاصل ہوگی۔

ALAUDDIN TEA
44, Haji Building S. V. Patel Road
Null Bazar, Mumbai-400003
Tele: Add Cupkettle

Ph: 23460220-23468708

CAFE FIRDOS

Partly Air Conditioned

MOGHALAI & CHINESE FOOD

Tel : 23424781-23459921

145, Sarang Street, Crawford Market, Mumbai-400003

ریڈی میڈ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز

اعلیٰ کوالٹی، جدید ترین فیشن کے ساتھ

Shirts, Trousers, Coats, Embroidered, Sherwanis, Pullovers,
Jackets, Kurta-Suits, Night Suits, Gown & Ties.

شادی بیاہ، تہہ ہار اور تقریبات کے لئے شاندار ذخیرہ، تشریف لائیں قابل بھروسہ برائے

menmark
Ultimate Men's Clothing

MFG, Wholesale, Export & Retail
58, Halwasia Market, Hazratganj, Lucknow. -226001

ادب کا سرچشمہ اور معیار قرآن مجید ہے۔
مولانا مرشد عالم ندوی نے کہا کہ ادب
اسلامی کا سیدھا مطلب پاکیزہ ادب ہے،
ہر باشعور مسلمان کو اس کا علمبردار ہونا چاہئے،
رابطہ ادب اسلامی کی یہ نشست باب العلوم گروپ
آف آرگنائزیشن کے سرپرست جناب قاری
اسماعیل ظفر کے زیر صدارت بعد نماز مغرب منعقد
ہوئی، محفل کا آغاز قاری محمد عارف کی تلاوت سے
ہوا اور جناب صباح اسماعیل ندوی کو نیز رابطہ
ادب اسلامی شاخ کلکتہ نے نظامت کے فرائض
انجام دیئے۔

کیونکہ وہ اسلام کے نظریے اور نظام سے واقف نہیں
ہوتے، وہ اپنے طور پر سمجھتے ہیں کہ اسلام ایک اخلاقی
ضابطہ تو دیتا ہے، نماز، روزہ، تیمم اور استنجاء کے مسائل
لیکن اس کا تہذیب و معاشرے، سیاست
اور آرٹ اور ہنر و فن سے کیا تعلق
ہو سکتا ہے؟ یہ ان کا اپنا تنگ نظرانہ تصور ہے، اسلام
ایک مکمل نظام حیات ہے جو پیدائش سے لے کر
موت تک انسانی زندگی کے ہر شعبے پر محیط ہے،
ادب، آرٹ اور صحافت کے لیے بھی وہ رہنما خطوط
متعین کرتا ہے، وہ صالح اور تعمیری ادب کا علمبردار
ہے اس ادب کا تعلق عقیدہ و اخلاق، فرد و معاشرہ کی
تعمیر اور فکر و نظر کی تطہیر سے ہے اور بلاشبہ اسلامی

جناب سید علی نے اس موقع پر کہا کہ اسلامی
ادب کا ذکر آتے ہی یہ سوال ابھارا جاتا ہے کہ ادب
اسلام سے کیا تعلق؟ ادب ادب ہے، جو تفریحی
ہو سکتا ہے، ترقی پسند ہو سکتا ہے، روٹی کپڑا اور مکان
کا ترجمان ہو سکتا ہے، رومانی ادب ہو سکتا ہے، جس
میں حسن و جمال اور عشق و محبت کی جوت چمکائی
جائے، اسی طرح جدیدیت، باوجد جدیدیت اور بے
چہرگی کا ترجمان اور گونگے بہرے کا خواب تو ہو سکتا
ہے، جو عام قاری کی سمجھ میں نہ آسکے، جن کا
مقصود واضح نہ ہو، گویا ادب کے صدر رنگ ہو سکتے ہیں
لیکن اسلام سے اس کا رشتہ ایسا چہ بواجبی است؟ یہ
سوال اس لیے اٹھائے اور ابھارے جاتے ہیں



(بقیہ صفحہ ۳۰ کا)

اور نہ ہی کسی کو اس کا مجاز قرار دیا گیا ہے۔
پورڈ نے یہ بھی کہا کہ اس نے کبھی بھی ہندوؤں کے کسی مندر کی تعمیر کی مخالفت نہیں کی، لیکن بابری مسجد کے سلسلہ میں ہم نے سختی سے کہا تھا کہ جس
جگہ بابری مسجد تھی وہاں پہلے کوئی مندر نہیں تھا، یہی بات محکمہ آثار قدیمہ نے بھی لکھی ہے، کہ بابری مسجد کسی مندر کو توڑ کر نہیں بنائی گئی تھی۔
سمجھوتہ کے تعلق سے پورڈ نے واضح طور پر کہا کہ جس سمجھوتہ کی بات چل رہی ہے وہ کہاں اور کس کے پاس ہے؟ پورڈ کو سمجھوتہ سے فرار نہیں
ہے لیکن یہ سمجھوتہ آئین اور شریعت کی روشنی میں ہونا چاہئے۔ اور پھر یہ فیصلہ ٹھوس بنیاد اور ثبوتوں کے خلاف ہے، اس میں مسلمانوں کے آئینی و قانونی
حقوق کو نظر انداز کیا گیا ہے، سیکولرزم کا گلا گھونٹا گیا ہے، اقلیتی فرقہ کو اکثریتی فرقہ کے رحم و کرم پر چھوڑا گیا ہے، اس لئے ان نکات کو سپریم کورٹ میں
اٹھانا ضروری ہے۔

پریس کانفرنس میں جناب عبدالرحیم قریشی جناب یوسف حاتم مجھالہ (ایڈووکیٹ) جناب ظفر یاب جیلانی (ایڈووکیٹ) جناب قاسم رسول الیاس
اور جناب مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی بطور خاص موجود تھے۔

تمام مہمانان کرام ندوہ کے مہمان خانہ میں قیام پذیر رہے، اور حسب روایت اس بار بھی ذمہ داران، اساتذہ اور طلبہ دارالعلوم کو ان کی خدمت کا
خوب موقع ملا۔

اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو ہر طرح کے شر و فتن سے محفوظ رکھے اور ملت اسلامیہ ہندیہ کی خدمت کا خوب موقع دے۔ (جاوید اختر ندوی)

☆☆☆☆☆

Postal Regd. No. LW/NP/63/2009TO2011
R. N. I. No. UP. Urdu/2001/6071

Vol. No. 47 Issue No. 24

Fortnightly
TAMEER-E-HAYAT
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-07

Ph. Off. : 0522-2740406
Fax : 0522-2741221
E-mail : nadwaj@anshanet.in

25 October, 2010

Mobile: 09415786548

Mohd. Akram
Jewellers



Phone: Shop. 0522-2274606
0522-2616731

محمد اکرم جویلیئرس

Near OJeon Cinema, Lucknow

New

Ph: 2266786

Sana Jewellers

سنا جویلیئرس

Riyaz Ahmad
Ghayas Ahmad



قبا اونگ

مینیوٹیکس چھرس

ٹیررس اونگ - ونڈا ونگ = ڈوم اونگ
فکس اونگ - لان اونگ - ڈیوڈیٹ

سل کراسنگ گوری بازار سروجنی نگر کانپور روڈ لکھنؤ

Tel : 0522-2817580 - 9335236026 - 9839095795

۳۰۱/۱۷ سرائے بانس، اکبری گیٹ، چوک لکھنؤ-۳

301/17, Srai Bans
Akbari Gate, Chowk, Lucknow-3

Res: 2226177
Akbari Gate
2266845

Shop: 94150026
2613736
3958875

سوئے پانڈی کی دنیا میں ۵۷ سالہ دیرینہ نام

حاجی صفی اللہ جویلیئرس

ہمارا میاں شورو

گزر چھال کے سامنے آئیے آپ کو لکھنؤ، دوپہرائی، محمد اسلم

HAJI SAFIULLAH JEWELLERS

Opp: Gadbad Jhala Aminabad, Lucknow-18

لکھنؤ کے قدیم مشہور و معروف منڈل سے تیار کردہ

خوشبو اور عطریات

روحیات، عریقات، گلہری، نعیم، کار، نعیم، روہم، لہری،
فلور، نعیم، روح، گلاب، روح، کیڑو، عرق، گلاب،
عرق، کیڑو، اگر عرق، ہیر، بل، پروڈکٹ

کی ایک قابل اعتماد کاروبار

ایک مرتبہ خریدنے کے بعد خدمت کا سہارا بنیں

اظہار سن پرفیومرس

اکبری گیٹ، چوک لکھنؤ

بلاک C-5، چھتر مارک، حضرت کا

IZHARSON PERFUMERS

H.O.: Akbari Gate, Chowk, Lucknow
Tel: 0522-2258257 Mobile: +91-9415009102
Branch: C-5 Jangam Market, Hazratganj
Lucknow 226001 U.P. INDIA Cell: 91-9415784932
E-mail: izharsonperfumers@yahoo.com

Editor Shamsul Haq Nadwi, Printed & Published By Athar Husain

On behalf Majlis-e-Sahafat-wa-Nashriyat at Azad P... ng 'ress Mahboob Building Nazirabad, Lko. Ph.: 9415100085